# اسلام
کی
# ارتقائی منزلیں

ناشر

تنظیم المکاتب

# اسلام

# کی

# ارتقائی منزلیں

تالیف

علامہ شیخ محمد حسین مظفرؒ

ترجمہ

مولانا شاہوار حیدر سعیدی

ناشر

تنظیم المکاتب

گولہ گنج لکھنؤ۔ یوپی (انڈیا)

فون: 0522-2615115 فیکس: 0522-2628923

- نام کتاب: اسلام کی ارتقائی منزلیں
- تالیف: علامہ شیخ محمد حسین مظفرؒ
- مترجم: مولانا شاہوار حیدر سعیدی
- کمپوزنگ: شمشاد حسین
- سنہ طباعت: مارچ ۲۰۰۶ء
- تعداد: ایک ہزار
- ناشر: تنظیم المکاتب گولہ گنج، لکھنؤ
- ہدیہ: Rs. 60/-

# فہرست

# عرض تنظیم

تحریک دینداری کے پہلے مرحلہ میں بانی تنظیم المکاتب خطیب اعظم مولانا سید غلام عسکری طاب ثراہ نے اگرچہ اپنی توجہ ''قیام مکاتب'' پر مرکوز رکھی تھی مگر آپ کا نصب العین اس قوم کی ہر فرد کو دیندار بنانا تھا۔ دینی تعلیم کے بغیر دینداری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اسی لیے آپ نے روز اول مکاتب کے ساتھ تعلیم بالغان اور مراسلاتی کورس کو بھی تنظیم المکاتب کے بنیادی اہداف میں شامل فرمایا اور آپ کی زندگی میں یہ شعبے کم و بیش فعال بھی ہو گئے تھے مگر خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی جس کا اہم سبب مناسب نصاب کا فقدان تھا۔

مکاتب کے ساتھ اسکول، جونیر ہائی اسکول اور ہائی اسکولوں میں دینی تعلیم کے فروغ کے ساتھ ہی قرآنیات، عقائد، احکام، تاریخ و سیرت اور اخلاق وحدیث پر مشتمل متوسط سطح کے ایسے نصاب کی ضرورت کا مزید احساس ہوا جس سے نوجوانوں میں دینی شعور پیدا ہو سکے۔ تربیت مدرسین کے علاوہ ادھر کچھ عرصہ سے نوجوانوں کے لیے دینی تعلیمی تربیتی کیمپ، مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ جیسے سلسلے شروع کیے گئے جن کے لیے بھی کتب کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔

نصاب کی تیاری ایک مشکل کام ہے اس کے لیے مختلف نمونوں، کتب اور مواد کے علاوہ صاحبان علم ہی نہیں بلکہ ماہرین فن کی ایسی تجربہ کار جماعت درکار ہوتی ہے جو یکسوئی کے ساتھ یہ کام انجام دے سکے اس راہ میں جن دشوار گذار اور صبر آزما مراحل سے گذرنا ہوتا ہے اس کا ادراک وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ایسے مشاغل

اور تجربہ کرنے کے بجائے مختلف ممالک اور زبانوں میں نوجوانوں کی تربیت کے لیے رائج نصاب سے استفادہ کیا جائے۔

چنانچہ طلاب کی سطح کے اعتبار سے تلاش شروع کی گئی مگر کسی ایک مرکز سے کوئی ایک ایسا جامع نصاب نہ مل سکا جو ہمارے ملک کی نسل نو کے دینی ضروریات کو پورا کرسکے لہٰذا مختلف تعلیمی مراکز میں رائج نصاب کے نصاب تعلیم سے انتخاب کیا گیا جس کے باعث اسلوب نگارش، انداز بیان اور سطح فکر میں اختلاف ناگزیر ہے۔

کتب کا اردو میں ترجمہ بھی ایک مرحلہ تھا۔ اس مرحلہ میں حوزۂ علمیہ قم میں زیر تعلیم اہل علم اور خوش استعداد صاحبان قلم خصوصاً جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب کے افاضل سے مدد لی گئی۔ اس طرح الحمدللہ اب قرآنیات، عقائد، احکام، تاریخ وسیرت اور اخلاق وحدیث پر مشتمل نصاب مرتب ہوکر اشاعت کی منزل میں ہے۔ فی الحال ان موضوعات سے روشناس کرانا مقصود ہے۔ آئندہ تجربہ کی روشنی میں کتب یا ان کے مشمولات میں تبدیلی کا امکان ہے جس کے لیے ہم اہل نظر اور ارباب بصیرت کی مثبت آراء اور تنقید کے منتظر ہیں۔

زیر نظر کتاب ''اسلام کی ارتقائی منزلیں'' بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اس کتاب کی اشاعت میں جن حضرات نے تعاون فرمایا ہم ان کے شکر گذار ہیں مترجم کتاب جناب مولانا شاہوار حیدر سعیدی صاحب فاضل جامعہ امامیہ، ہمارے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں جن کی کاوشوں سے زیر نظر کتاب کی اشاعت کا شرف ہمیں حاصل ہورہا ہے۔

والسلام

**سید صفی حیدر**

سکریٹری

۲۶رذی الحجۃ الحرام ۱۴۲۶ھ

# مقدمہ

علامہ بزرگوار شیخ محمد حسین مظفرؒ ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے اور ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۴ء کو انتقال فرما گئے۔ آپ کا تعلق اس خاندان شیخ مظفر سے تھا جس میں آخری دو صدیوں میں متعدد فقہا اور مردانِ علم و ادب پیدا ہوئے۔ یہ خاندان گرچہ بعض مورخین کے بقول اصل میں حجازی تھا لیکن اس نے عراق میں نشو و نما پائی اور نجف اشرف میں رہائش اختیار کی۔ اس کے افراد نجف اشرف میں رہتے ہیں۔

اس کتاب کے مؤلف علامہ مظفرؒ پانچ بھائیوں میں ہونے والے تین نابغۂ زمن میں سے ایک تھے۔ ان میں سب سے بڑے عالم بزرگوار فقیہ مجتہد شیخ محمد حسن مظفرؒ تھے جو ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۳ء کو پیدا ہوئے اور ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۵ء میں انتقال فرمایا آپ متعدد تالیفات کے مالک ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور "دلائل الصدق" ہے جو علم کلام میں ہے اور متعدد بار طبع ہوئی ہے۔ اور سب سے چھوٹے علامہ شیخ محمد رضا مظفرؒ تھے جو ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں انتقال فرما گئے یہ متعدد تالیفات کے مالک ہیں انہوں نے نجف اشرف میں "جمعیۃ منتدی لنشر" (نامی ادارہ) اور اس کے تحت چلنے والے مدارس کو قائم کیا ان مدارس میں سے

''فقہ یونیورسٹی'' ہے۔ کتاب ھذا کے مؤلف آپ ''المجمع الثقافی لمنتدی النشر'' نامی ادارے کی سرپرستی فرماتے تھے اور ''فقہ یونیورسٹی'' کے استاد بھی تھے۔

اس کتاب کے مؤلف نجف اشرف کے حوزۂ علمیہ میں پڑھے اور بہترین اساتذہ وعلماء سے کسب فیض کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔آپؒ نے مختلف اسلامی موضوعات میں متعدد کتابیں تالیف کیں۔آپ کی مشہور مطبوعہ کتب میں سے ''الامام الصادق علیہ السلام'' (دوجلدی) تاریخ الشیعہ اور ''الثقلان: الکتاب والعترۃ'' وغیرہ ہیں۔

۲

موجودہ کتاب ''الاسلام نشوؤہ وارتقاؤہ'' اصل میں ان تقاریر کا مجموعہ تھی جو آپؒ نے ''فقہ یونیورسٹی'' کے طلاب کے سامنے ان دنوں کی تھیں جب یہ دانشگاہ اپنی تاسیس کے ابتدائی مراحل طے کر رہی تھی اور ابھی اس کے مناہج و دروس پر نظر ثانی نہیں کی گئی تھی اور اسے سرکاری حیثیت حاصل نہیں تھی۔لگتا ہے کہ یہ تقریریں پہلے سال کے طلاب کے سامنے اس وقت کی گئی تھیں جب فقہ یونیورسٹی ابھی ابھی وجود میں آئی تھی اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ کتاب ایک طرف مختصر ہے اور دوسری طرف زیادہ گہرائی میں جانے اور اعتراضات و بحث میں پڑنے سے اجتناب کے ساتھ ساتھ وضاحت وتشریح بھی ہے۔

مؤلف کا ان تقاریر سے مقصد (جیسا کہ خود فرماتے ہیں) نشوونما کے

لحاظ سے اسلامی تاریخ کا خلاصہ بیان کرنا ہے اس لئے جس اسلام کی نشو ونما اور ترقی کے سلسلے میں آپ بحث کررہے ہیں، اسی پران اسلامی عقیدہ کے دروس اور معاشرتی نصائح کے سلسلہ میں بحث کرنا مقصود ہے۔جن کی مثالیں نبیؐ کی حیات طیبہ کی سیرت میں ملتی ہیں اوراس سلسلہ میں آپ کے اقوال و افعال میں موجود ہیں اور جن کے بارے میں قرآن نے بھی گفتگو کی ہے۔ مؤلف نے موجودہ تالیف میں اختصار سے کام لیتے ہوئے تاریخی موعظہ و نصیحت بیان کرنے پر خاص تالیف فرمائی ہے۔

مؤلفؒ مذکورہ بالا مطلب کا ذکر اسی کتاب کے اس مقدمہ میں فرماتے ہیں ۔جس میں آپؒ نے ان تقاریر کی تدوین کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ یہ دوسری عالمی جنگ عظیم کا زمانہ تھا یعنی ۱۹۳۹ء مطابق ۱۳۵۹ھ تا ۱۹۴۵ء مطابق ۱۳۶۴ھ ان دنوں کو تلخ انداز میں یاد کرتے ہوئے مؤلفؒ فرماتے ہیں:

''اس عالمی جنگ کا منحوس سایہ اس گھڑی ۱۳۶۲ھ (مطابق ۱۹۴۳ء) سے آج تک اب بھی برقرار ہے۔''

اس جنگ کے خاتمے کے دسیوں سال گذر جانے کے بعد انسانی سعادت کے مخلص وحریص افراد امیدوار تھے کہ انسانیت اس جنگ نیز اس جیسی عبرتناک جنگوں سے نجات پا چکی ہوگی لیکن ان کی اس امید پر کافی حد تک ان افراد کی نگاہ میں بھی پانی پھر گیا جو انسانیت کے مستقبل کے سلسلہ میں نیک خواب دیکھا کرتے تھے اور انسانیت اب بھی ایسی پریشانیوں اور جنگوں میں مبتلا

ہے جس کا منحوس سایہ اب بھی برقرار ہے نیز ایسے رنج و مشقت سے دوچار ہے جو دوسری عالمی جنگِ عظیم کے رنج و مشقت سے اگر زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہے اور یہ صورت حال اس وقت تک باقی رہے گی جب تک انسانیت حوادث سے صحیح طور سے نصیحت حاصل نہ کرے اور زبانی مرحلہ سے نکل کر عملی میدان میں نہ کود پڑے۔ نصیحتیں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دی جاتی ہیں ایسی نصیحتیں جو دل سے نہ نکلی ہوں دلوں کو نہیں کاٹتی ہیں نیز جب تک انسانی حکام سیر تاً و عملاً حکام نہ ہوں اگر چہ ان کے نام بدل جائیں نیز جب تک زیردست زیردست ہی رہیں اگر چہ ان پر حکومت کے نظاموں کے عنوان بدل جائیں مگر روش اور مقاصد نہ بدلیں تو کامیابی کو چھو سکتے ہیں لیکن اگر کوئی حاکم یا زیردست اس سے مستثنیٰ ہو تب وہ اس تلخ حقیقت کو نہیں بدل سکتا مگر یہ کہ یہ تمام انسانی حکومتیں اور معاشروں کی روش ایک عمومی روش اور ڈگر پر چل پڑے۔

# ہدف وغرض مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اس خدا کے لئے سزاوار ہیں جس نے اپنے دینِ اسلام کا راستہ دکھا کر ہم پر احسان فرمایا، ہم کو حضرتِ خیر الانام کا پیرو کار قرار دیا اور ان کی سیرت طیبہ کی شناخت کی توفیق دی آپؐ پر درود وسلام کہ آپؐ ہادی ورہنما ونبیؐ رحمت وہدایت ہیں آپ کی ان عترتِ پاک پر بھی درود وسلام جو آپؐ کے راستے پر چلے اور آپ کی امت میں آپ کی طرح فریضۂ الٰہی انجام دیتے رہے۔

یہ کتابچہ دراصل ان تعلیمی تقاریر کا مجموعہ تھا جو میں نے "جمعیۃ منتدی النشر" نامی ادارے میں "فقہ یونیورسٹی" کے طلاب کے سامنے کی تھیں اس میں میں نے نشو ونما اور ترقی کے لحاظ سے اسلامی تاریخ کا خلاصہ بیان کیا ہے نبوی سیرت کے بیان کرنے سے ہم کو سردارِ انبیاءؑ کے مقدس جہاد سے واقفیت حاصل ہوتی ہے نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اسلام کے پھیلنے اور اس کی کامیابیوں کے دنوں میں دعوت دے کر انسان کو تاریکی سے روشنی، گمراہی سے ہدایت اور اندھے پن سے بینائی کی طرف لانے کے سلسلہ میں کس طرح مشکلات کو برداشت کیا یہاں تک کہ منزل مقصود تک پہونچ گئے اور حجۃ الوداع کے بعد غدیر خم میں یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمْ

اُلاِسلامَ دِیناً (یعنی آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا ہے اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسندیدہ بنا دیا ہے)

چنانچہ آپؐ اسی کوشش میں لگے رہے یہاں تک کہ آپ کا منشا پورا ہو گیا اور آپؐ نے دنیا کو خیر باد کہہ کر آخرت کا رخ کیا اور قیامت تک ہر مسلمان پر اپنی نیک مساعی اور ان احسانات کے ذریعہ احسان کیا جن کے ذریعہ آپؐ نے اپنی رسالت کے ماننے والوں کو نجات دی۔

''فقہ یونیورسٹی'' کی تاسیس کا پہلا مقصد اس صلاحیت کو وجود میں لانا تھا جس کے ذریعہ طالبِ علم خود احکامِ دین استنباط کر سکتا ہو یہی دینی علوم میں مشغول رہنے والے کا مطلوبہ ہدف ہے اور اس انسانی سوسائٹی کے لئے اس سے زیادہ اعلیٰ اور مفید مقصد کیا ہو سکتا ہے جو شرعی احکام میں مجتہد علماء سے بے نیاز نہیں رہ سکتی؟ کیا دنیا اسلام کو گلے لگائے اور مردانِ دین کی پیروی کیے بغیر آرام، سکون، کامیابی اور سعادت پا سکتی ہے؟ جو دین سردارِ انبیاءؐ لائے وہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الاِسْلَامُ ہے یعنی (دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے) اسلام ہی وہ دین ہے جس کو اختیار کرنے سے انسان نیک بخت ہوتا ہے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے لوگوں کو جان، مال، آبرو میں امن وامان محسوس ہوتا ہے۔ اور کیا اس سے بھی زیادہ کائنات میں کوئی چیز بڑھ کر ہے؟ اس کو اختیار کرنے سے وہ ایسی پریشانیوں سے نجات پا جائیں گے جنہوں نے آج پورے کرۂ ارض کا احاطہ کر رکھا ہے جن کا آغاز (۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۳۹ء) سے

ہوااور اس کا منحوس سایہ (۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء) کی اس گھڑی تک برقرار ہے اور ہم کو نہیں معلوم کہ یہ آگ کب بجھے گی جس نے ہر خشک وتر کو جلا دیا۔

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً

''یعنی (اور اس فتنہ سے بچو جو صرف ظالمین کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے۔)

ہم خدا سے امداد، توفیق اور ھدایت کے خواہاں ہیں

محمد حسین مظفر

# پہلی فصل

## آغاز دعوت سے ہجرت تک

### اسلام کہاں پروان چڑھا؟

دین اسلام ام القریٰ مکہ مکرمہ میں پروان چڑھا کیونکہ مکہ مکرمہ دین اسلام کا اعلان کرنے والے کا وطن ہے، اسلامی تعلیمات کے حامل اور اس کے احکام پہونچانے والی ہستی کا شہر ہے خدا نے اس شہر کا انتخاب تبلیغ اور دین اسلام کے اعلان کے لئے اس لئے فرمایا کیونکہ اس میں خدا کا وہ گھر ہے جس کا دور دراز علاقوں سے لوگ رخ کرتے ہیں لہٰذا اس میں دعوت کا اعلان زیادہ مؤثر اور عام لوگوں تک جلدی پہونچتا نیز مکہ وہ شہر ہے جہاں عرب کے متفکرین اور صاحبان فصاحت و بلاغت اکٹھا ہوتے اور ہر سال ان بزرگانِ فصاحت و بلاغت کی ایک بڑی تعداد وہاں کا رخ کرتی اور قرآن فصاحت، بلاغت، اسلوب اور بیان کے اعتبار سے دائمی معجزہ ہے مکہ میں ایسی جماعت حاضر ہوتی جو اس کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی اور اس کا مثل لانے کی قدرت رکھتی پس یہی وہ جماعت تھی جو خانہ کعبہ کے پاس ہمیشہ موجود رہتی تھی جس میں مکہ اور مختلف علاقوں کے لوگ موجود تھے جو خالص عرب اور بہترین صاحبانِ بلاغت تھے تو

جب ایسے ارباب فصاحت کی قرآن کا مثل لانے سے عاجزی ظاہر ہوجاتی۔جس طرح کہ ہوئی بھی۔تو ان کے پیروکاروں کی عاجزی بدرجۂ اولی ظاہر ہوجاتی اس طرح قرآن کا اعجاز کامل ہوجاتا اور اس کی دلیل وحجت تمام ہوجاتی۔اسی لئے دعوت اسلام مختصر مدت میں عرب کے قبیلوں تک پہونچ گئی اور عرب کے صاحبانِ بلاغت کی اس کا مقابلہ کرنے سے عاجزی ظاہر ہوگئی۔

**اسلام کا ابتدا میں نامانوس ہونا:**

اسلام اس وقت آیا جب عرب جاہلیت کے دور میں تھے پتھروں کی پرستش کررہے تھے انھوں نے پتھروں سے خانۂ کعبہ کے بالائی حصہ کو بھر رکھا تھا ہر جماعت کسی ایسے پتھر کی طرف منسوب تھی جس کو انھوں نے اپنے ہاتھوں سے تراشا تھا اور اپنی طرف اس کے سامنے جھکنا فرض قرار دے رکھا تھا اس کے ساتھ ساتھ وہ ہر چیز کے خالق خدا کو چھوڑ کر اس کی پرستش کرتے تھے چنانچہ وہ کہا کرتے:"وَمَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى"[زمر/۳](یعنی ہم ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں گے)البتہ مکہ مکرمہ میں ایسے افراد بھی تھے جو ملت ابراہیمؑ پر قائم تھے جن کی تعداد انگلیوں کی تعداد سے بھی کم تھی ان میں سے اکثر بنی ہاشم تھے اور ماحول سے سازگاری رکھنے کی خاطر تقیہ کی زندگی گذار رہے تھے ایسی ایک جماعت شام ویمن وعراق میں عیسائیت پر اور ایک جماعت مدینہ اور اس کے مضافات میں دین یہودیت پر قائم تھی۔

ان حالات میں آپ لوگوں کو کیسا پائیں گے جبکہ ایک منادی نے بہ آواز بلند ان سے یہ کہا ہو کہ اس پتھر کو جو نہ فائدہ پہونچاتا ہے اور نہ نقصان پہونچاتا ہے توڑ ڈالو جن چیزوں کی تم پرستش کرتے ہو ان کا اور ہر چیز کے پیدا کرنے والے خدا کو ایک سمجھو مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک مت قرار دو اس کی عبادت کرو اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو مجھ کو اس کا پیغمبرؐ اور سفیر مانو میری نبوت کی تصدیق کرو کیونکہ میں تم کو بڑی مصیبت کے دن سے ڈرانے والا اور دین مستقیم کا راستہ بتانے والا ہوں۔

تو اس فریاد سے وہ لوگ کیوں بیتاب نہ ہوں گے اور اس دعوت سے ان پر دہشت کیوں طاری نہ ہوگی؟ چنانچہ ان کی عقلیں حیران تھیں اور ان کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھیں کیونکہ یہ پیام ان کے لئے نامانوس تھا اور ان کے نفوس اصلاح سے دور تھے۔

صاحب دعوت کا مقابلہ:

ان لوگوں کے کانوں سے جب یہ آواز ٹکرائی تو سب کے سب اس کے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے چنانچہ انھوں نے آپؐ کو جھوٹا کہا جبکہ آپؐ اب تک ان کی نگاہ میں سچے تھے آپ کو خائن کہا جبکہ آپؐ اب تک ان کی نگاہ میں امین تھے۔آپؐ سے دشمنی کی جب کہ ابھی تک ان کی نگاہ میں محبوب تھے۔آپ کا گناہ صرف یہ تھا کہ آپؐ ان سے اس وحدانیت کا اعتراف کرانا چاہتے تھے جس کی طرف ان کی عقلیں فطری طور پر راہنمائی کرتی تھیں اور آثار

کی موجودگی کی وجہ سے ان کے حواس اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔آپؑ ان سے اپنی پیغمبری کی تصدیق چاہتے تھے جس کے اوپر دلیل قائم ہو چکی تھی اور حجت و برہان ان کو اس کا راستہ بتا چکی تھیں نیز آپؑ ان سے اس پتھر کی پرستش کو ترک کرانا چاہتے تھے جس کو انھوں نے اپنے ہاتھوں سے تراشا تھا اور وہ نہ ان کو کوئی نقصان پہونچا سکتا تھا اور نہ کوئی فائدہ۔

اگر وہ تھوڑا سا غور و فکر کرتے اور عقل کی پیروی کرتے تو آپ کا مقابلہ نہ کرتے اور آپ کی دعوت کو روکنے کی کوشش نہ کرتے۔اسی سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ نامانوس واقعات کے رونما ہوتے وقت اچھی طرح غور و فکر کرنا چاہیئے، حقیقت کا احاطہ کرنے سے پہلے دعوت کو جلدی سے رد نہ کرنا چاہیئے۔

یہ سب تو تھا ہی ان میں سے اکثر و بیشتر افراد کے نفوس میں حسد اور جلن، دعوت کو فوری طور پر رد کرنے اور تکذیب کر کے آپ کا مقابلہ کرنے کا سب سے بڑا سبب تھا۔

## ثابت قدمی کامیابی کی جڑ ہے:

چنانچہ نبیؑ کو اپنی دعوت جاری رکھنے سے روکا گیا، مال و زر اور نیکی، کا وعدہ کیا گیا، جھٹلایا گیا اور دھمکیاں دی گئیں لیکن جب آپؑ ان تمام رکاوٹوں کی پرواہ کئے بغیر اپنا راستہ طے کرنے میں ثابت قدم رہے تو انھوں نے آپ کی راہ میں کانٹے بچھائے اور ہر طرح ستایا لیکن انھوں نے جتنا زیادہ آپ کو روکا آپ کے عزائم پختہ ہوتے گئے اور یہی ثابت قدمی آپ کی کامیابی کا پیش خیمہ

ہی ہے۔

**مقاومت امید کا پیش خیمہ:**

جب نبیؐ نے اپنی روش جاری رکھی تو کچھ لوگوں کی طرف سمجھ لوٹ آئی، انھوں نے معاملہ کو نگاہِ بصیرت سے دیکھا، تعصب کی عینک اتاری، حسد سے دوری اختیار کی۔ چنانچہ حجت تمام کئے جانے اور ڈرائے جانے کے بعد آپ کی دعوت کو قبول کر کے دین اسلام کو اختیار کیا۔

ان مسلمان ہونے والے افراد میں کچھ ایسے تھے جنہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کر دیا اور دھمکیوں کی پرواہ نہ کی اور کچھ نے قریش کے ان فراعنہ کے خوف سے اپنے مسلمان ہونے کو چھپائے رکھا جو اسلام قبول کرنے والوں کو طرح طرح سے ستاتے تھے۔

اگر آپ اپنی دعوت کو جاری نہ رکھتے، ان کی دھمکیوں سے بے خوف نہ ہوتے، ان کے وعدوں سے بے رغبت نہ ہوتے اور اپنی قوم کی ایذا رسانیوں پر صبر نہ کرتے تو آپ کی دعوت آپ کو کسی امید تک نہ پہونچاتی اور نہ اس میں آپ کو ذرہ برابر کامیابی ملتی لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مقاومت امید کا پیش خیمہ ہے۔ جس طرح کہ ثابت قدمی کامیابی کی جڑ ہے۔

**مکہ میں اسلام کا چرچا:**

دعوت پر ثابت قدمی، تبلیغ پر مقاومت، حق اور حق پر محکم دلیلوں خصوصاً قرآن کریم کے جاویدانہ معجزہ، اس کے سوروں کا تواتر صاحبانِ عقل

کے دلوں میں رعب بیٹھ گیا اور اس نے اس حق کے فریاد گر اور ہدایت کے منادی کی دعوت قبول کرنے کے سلسلہ میں ان کو چیلنج کیا تو اب کیا سمجھدار کے لئے حق سے چشم پوشی کرنا، جبکہ وہ اس کے نزدیک اچھی طرح آشکار ہو چکا ہو نیز حقیقت سے بے توجہی کرنا جبکہ وہ اس کے لئے بالکل واضح ہو چکی ہو، درست تھا؟ ہرگز نہیں۔

چنانچہ اسلام اس عرصے میں پھیلتا رہا اور اس کے ماننے والوں میں اضافہ ہوتا رہا یہاں تک وہ ہر قبیلہ میں پہونچ گیا ہر خاندان میں پرورش پانے لگا خصوصاً غریب اور مستضعف خاندانوں میں اس نے اپنی جڑیں مضبوط کرلیں۔

## قریش کی مسلمانوں کو ایذا رسانی:

جب قریش نے دیکھا کہ اسلام اپنے راستہ میں چل پڑا ہے اور وہ اس کی راہ میں رکاوٹ کھڑی نہیں کر سکتے ہیں تو انھوں نے ایمان لانے والے قبیلوں کو ستانے اور دینِ محمد کی طرف مائل ہونے والے افراد کو پریشان کرنے کا فیصلہ کیا پس ان کو روکنے اور حق سے پھر جانے کے لئے طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے لگے اور بات اس حد تک بڑھ گئی کہ انھوں نے بعض مسلمانوں کو شہید کر دیا جن کا مکہ میں قبیلہ یا مضبوط سہارا نہ تھا مگر ان کی سنگدلی اور ظلم نے اسلام لانے والے افراد کے عزائم میں پختگی پیدا کی تائید اور ایمان لانے والے افراد کے قلوب میں محبت بھری ایمانی مشعلیں روشن کیں۔

اپنے مبداء کی درستی کا اعتقاد رکھنے والے اور اپنے عقیدہ کو ٹھوس

پانے والوں کی یہی شان ہوتی ہوتی ہے کیونکہ ڈرائے جانے اور ستائے جانے کے ذریعہ مبادی حقہ اور زیادہ روشن ہوتے ہیں اور درست عقائد سے پھر جانا اہل یقین اور سچا ایمان رکھنے والوں کی عادت نہیں ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی حبشہ ہجرت کا اثر:

جب نبیؐ نے پیروانِ حق اور اسلام لانے والوں پر ہونے والے مظالم کو دیکھا تو ان کی ایک جماعت کو حبشہ جانے کا حکم دیا جس میں آپ کے چچا زاد بھائی (جعفر طیار) بھی تھے کیونکہ حبشہ میں ایک بادشاہ تھا جس کی حکومت میں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا تھا یہ لوگ قریش کے آزار سے بچنے، اپنے دین کو بچانے بلکہ پرچم اسلام کو لہرانے کے لئے حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کیونکہ مسلمان جہاں بھی پہونچتے تھے اپنے دین کو پیش کر کے لوگوں کے نزدیک محبوب کر دیتے تھے لہٰذا قلوب اس کی طرف مائل ہوتے تھے۔

چنانچہ اس مشقت کو جھیلنے، ان پر مصائب کے ہجوم نیز دربدری کی تکلیف برداشت کرنے سے ان کی دین سے رغبت اور نازل ہونے والی مصیبت پر رضایت وصبر میں اضافہ ہی ہوتا تھا جس طرح کہ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ قریش کی شقاوت نبیؐ و پیروانِ نبیؐ سے عداوت، جنگ اور مخالفت میں اضافہ ہوتا تھا یہاں تک کہ انھوں نے اپنے درمیان موجود افراد کو ستانے پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ ہجرت کرنے والوں کو بھی پلٹانا چاہا تاکہ ان کو اس اذیت وآزار میں واپس لے آئیں جس سے وہ بھاگے تھے اور وہ اپنے اس دین

میں واپس آجائیں جس سے خدا نے ان کو نجات دی تھی بلکہ قریش اس بات سے خوش نہیں تھے کہ مختلف جگہوں خصوصاً اس سرزمین مین مسلمانوں کے جانے کی وجہ سے اسلام کے ناصر ومددگار پیدا ہو جائیں جس سرزمین پر ان کا کوئی اختیار نہیں۔ لہٰذا انھوں نے فوراً بادشاہ حبشہ کی طرف تحائف کے ساتھ دو مکار شخص یعنی عمرو بن عاص اور عُمارہ بن ولید مخزومی کو روانہ کیا تا کہ بادشاہ کو مہاجرین کی اپنے گھروں کو واپسی پر آمادہ کرے لیکن بادشاہ نے ان کا مطالبہ نہ مانا بلکہ یہی اس بات کا سبب بنا کہ وہ اسلام اور اس کی نشانیوں کے سلسلہ میں تحقیق کرے اور اس کو اسلام کے چشموں سے سیراب ہونے کا شوق ہوا اور نتیجہ میں وہی ہوا جس سے قریش ڈر رہے تھے کہ کہیں دیگر ممالک میں اسلام نہ پھیل جائے۔

چنانچہ وہ مہاجر جماعت اپنے دار الہجرت میں ہی رہی اور رسولؐ کی مدینہ ہجرت کے بعد بھی طویل مدت تک وہیں ان کی نسل پلی بڑھی پھر انھوں نے فتح خیبر کے وقت مدینہ ہجرت کی۔

## بنی ہاشم کا بائیکاٹ:

جب بھی قریش نے اسلام کو مٹانے کے لئے کوئی چال چلی اسلام اور زیادہ آشکار ہوتا اور پھیلتا چلا گیا۔ جب بھی انھوں نے رسول کو ستانے اور لوگوں کو آپؐ سے تعلقات ختم کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی اتنا ہی لوگوں نے آپؐ کی ایک جماعت سے تعلقات استوار کئے اور آپ کی دعوت کا مثبت جواب دیا یہاں تک کہ انھوں نے آپ کے قتل کا فیصلہ کیا لیکن سردار مکہ جناب ابوطالبؑ ان

کے اس فیصلہ میں مانع ہوئے۔ قریش جتنا آپ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے ابوطالبؑ اتنا ہی آپ کا دفاع کرنے کی کوشش کرتے کیونکہ سردار مکہ ابوطالبؑ کا اتنا رعب ودبدبہ تھا کہ ان سے کوئی ٹکرا نہیں سکتا تھا۔

چنانچہ جب ان کو آپ کے قتل کرنے اور آپ تک پہونچنے کا کوئی راستہ نہ ملا کیونکہ ابوطالبؑ آپ کے مددگار اور حامی تھے تو انھوں نے وہ ظالمانہ پیمان آپس میں باندھا جس میں انھوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ یا بنی ہاشم کی ناکہ بندی کی جائے یا یہ کہ بنی ہاشم، قتل کرنے کے لئے رسول کو ان کے حوالے کردیں۔ انھوں نے اس معاہدہ پر اسی مہر لگا کر خانہ کعبہ پر آویزاں کردیا۔ چنانچہ قریش نے رسولؐ اور آپ کے اہل وعیال، بنی ہاشم اور بنی مطلب کو شعب ابیطالبؑ میں قید کرکے رکھا تو وہ لوگ تین سال تک اس قید میں صعوبت و مشقت کا سامنا کرتے تھے۔ ان تک جو چیز پہونچتی تھی مخفیانہ طور پر پہونچتی تھی یہاں تک کہ رسول خداؐ، ابوطالبؑ اور خدیجہ کے پاس جو کچھ تھا سب انھوں نے اسلام کی راہ میں خرچ کرڈالا شعب میں مقید ہونے کی وجہ سے نبیؐ موسمِ حج میں ہی دعوتِ اسلام کے پرچم کو بلند کرسکتے تھے جبکہ لوگ اکٹھے ہوتے تھے حرام مہینوں میں صورتحال پرسکون ہوجاتی تھی۔ ایک دن نبیؐ نے ابوطالبؑ کو بتایا کہ کعبہ پر آویزاں نوشتہ کو دیمک چاٹ گئی ہے اور اس میں (باسمک اللهم) کے علاوہ سب کچھ ختم ہوگیا ہے۔ تو ابوطالبؑ قریش کے پاس پہونچے جبکہ وہ لوگ کعبہ کے صحن میں اکٹھا تھے وہ یہی سمجھے کہ آخر تنگ آکر ابوطالبؑ رسولؐ کو حوالے

کرنے کے سلسلہ میں ان سے صلح کرنے آئے ہیں۔ اس لئے انھوں نے آپ
کی ایسی آؤ بھگت کی کہ ایسی پہلے کبھی نہیں کرتے تھے تب ابوطالبؑ نے ان کو
نوشتہ کے سلسلہ میں بتایا تو اس خبر سے وہ لوگ انگشت بدنداں رہ گئے اور انھوں
نے وعدہ کیا کہ اگر خبر سچ ہوئی تو ہم آج ہی بائیکاٹ ختم کر کے رسولؐ کو
آزاد چھوڑ دیں گے ادھر ابوطالبؑ نے بھی وعدہ کیا کہ اس خبر کے جھوٹا ہونے
کی صورت میں وہ رسولؐ کو ان کے حوالے کر دیں گے جب انھوں نے نوشتہ کو
اتار کر صورتحال ویسی ہی پائی جیسی رسولؐ نے بتائی تھی تو انھوں نے وعدہ پورا
نہیں کیا بلکہ ظلم وستم میں اور اضافہ کر دیا اور دوبارہ وہی بات دہرائی جو نبیؐ سے
کوئی نشانی یا حجت کا مشاہدہ کرتے وقت کہنے کی ان کی عادت ہوگئی تھی کہ یہ
جادو ہے البتہ ان میں سے کچھ نے کہا کہ یہ بائیکاٹ اور اس پر اصرار، صراصر ظلم
اور سنگدلی ہے خصوصاً جب کہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے معجزہ کا مشاہدہ کر لیا
ہے۔ ابوطالبؑ نے پھر مخفیانہ طور پر ان کے اتحاد کو توڑنے اور ان میں سے کچھ کو
نوشتہ کے سلسلہ میں مخالف کرنے کی کوشش کی تو دوسرے دن ان میں پھوٹ پڑ
چکی تھی، چنانچہ ابوجہل نے ان کی آزادی کا فیصلہ سنا دیا تب بنی ہاشم اور اولاد
مطلب شعب سے باہر نکلے لوگ ان کے گرد پہلے کی طرح جمع ہونے لگے اور
ان کی وہی شان لوٹ آئی بلکہ اس بنا پر کچھ لوگ مسلمان بھی ہو گئے گویا ان
کا بائیکاٹ کرنا اسلام کی شان کی برتری اور اسلام کے ماننے والوں کی تعداد
میں اضافہ کا سبب بنا۔ مبدا پر ثابت قدم رہنے کے نتائج اور کسی کام پر مقاومت

کا پھل یہی ہے۔

مکہ کے مضافات میں اسلام کا پھیلنا:

نبیؐ کبھی طائف تشریف لے جاتے تھے جہاں قبیلہ خزاعہ آباد تھا اور کبھی مکہ کے مضافات میں آباد کچھ قبیلوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے، ان کو خدا کے پیغامات سناتے تھے قریش آپ کا پیچھا کرتے اور لوگوں کو آپؐ سے دور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن نبیؐ کی یہ دعوت سننے والے کانوں اور پاکیزہ قلوب میں نفوذ کر جاتی اور وہ آپ کی دعوت پر لبیک کہتے اگرچہ ان کے سامنے لاکھ مشکلیں پیش آئیں۔

بہر حال نبیؐ اپنی کوشش کو جاری رکھے ہوئے تھے اور قریش اس مخالفت پر ڈٹے ہوئے تھے لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ حجت مزید واضح اور دل آپ کی طرف مائل ہو رہے تھے اگرچہ قریش آپ کی تکذیب اور جھٹلانے سے چوکتے نہیں تھے۔

ابوطالبؑ کا انتقال:

چونکہ ابوطالبؑ سردار مکہ تھے اور قریش آپؑ سے ڈرتے تھے۔ لہٰذا رسولؐ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور جتنا ہو سکا اپنی دعوت کو عام کیا کہ ابوطالبؑ آپ معین و مددگار تھے اور ہاتھ وزبان اور مقام و منصب کے ذریعہ آپ کی مدد کر رہے تھے۔ ابوطالبؑ کی وفات کے بعد جب بنی ہاشم میں کوئی ایسا نہ رہا جس کا قریش کے دلوں میں رعب ہو تو آپ نے قریش کے آزار سے

بچنے کے لئے مختلف قبائل سے مدد مانگی تا کہ اپنے پیغام کو پہونچا سکیں لیکن قبیلے انکار کررہے تھے کیونکہ وہ قریش کا سامنا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ نبیؐ اور نو مسلم افراد کو اسی طرح تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے تین سال گذر گئے۔

### قبیلوں میں اسلام کا نفوذ:

نبیؐ موسم حج کے ایام میں اپنی دعوت وتبلیغ کا اعلان فرماتے تھے تا کہ لوگ آپ کی دعوت کو سنیں اور حاضر افراد غائب افراد تک پہونچا دیں۔ آپ قرآن کو علی الاعلان پڑھتے تھے اور بازار عکاظ جیسے لوگوں کے اکٹھا ہونے کے مقام میں ان کو قرآن کی کچھ آیتیں سناتے تھے۔ آپ کا مسلسل اعلان کرنا اور ان کا مسلسل سننا اس بات کا سبب ہوا کہ دلوں میں آپ کا مقام بنے۔ بنا برایں مختلف قبیلوں میں سے کچھ ایسے افراد نکلے جنہوں نے آپ کی دعوت قبول کی جن کو حق سے کوئی عداوت نہ تھی اور ان پر مخالفت وحسد نے غلبہ نہیں کیا تھا۔ انہیں حق کی طرف بلانے والے کی آواز پر کان دھرنے اور اس کی آواز پر لبیک کہنے میں کوئی عذر نہیں تھا۔

### یثرب میں اسلام کا پھیلنا:

سرزمین مکہ پر نبیؐ کی دعوت قبول کرنے والوں میں یثرب والوں کے کچھ وفد تھے وہ رسولؐ کی باتیں اور اسلام کا پیغام اپنے یہاں لے گئے انھوں نے قرآن کی کچھ آیات اور شرعی احکام کو یاد کیا اور اپنی قوم کو سنایا خبر کی سچائی نے انہیں متاثر کیا تو ان کے دلوں میں اسلام کی محبت گھر کر گئی۔ چنانچہ دوسرا سال آیا

تو موسم حج میں اہل یثرب کی ایک جماعت آئی تا کہ اس دعوت دینے والے رسولؐ کی زیارت کا شرف حاصل کریں اور اس سے وہی باتیں سنیں جیسی اس نے اپنی جماعت سے سنی تھیں تا کہ مطمئن ہو کر یقین و آگاہی کے ساتھ آپ کی دعوت کو قبول کریں وہ لوگ جیسے ہی رسولؐ کے پاس پہونچے اسلام میں جوق در جوق داخل ہونے لگے اور آپ کے چمکتے نور سے نورانی ہونے لگے۔

چونکہ اہل یثرب قحطانی اور یمنی تھے، قریش یا ان کے حلیفوں میں سے نہیں تھے کہ ان پر قریش کے تعصب کا اثر ہوتا اور چونکہ وہ نبیؐ کے ننیہالی ماموں تھے اس لئے کہ عبد المطلبؑ کی ماں ان میں کی تھیں لہٰذا برابر ان تک آپ کی کرامت وصفات کی خبریں پہنچتی رہتی تھیں لہٰذا وہ آپ کی دعوت قبول کرنے کے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ حقدار نیز معرفت حق و آفتاب حق کے چمکنے کے بعد دعوت قبول کرنے میں پہل کرنے کے زیادہ سزاوار تھے۔

تشدد دھماکہ کرتا ہے:

قریش کا خیال تھا کہ دعوت کے اعلان سے نبی کو روکے رکھنا اور آپ پر زیادہ سختی کرنا آپ کو اپنی راہ اور نظریہ سے پلٹا دے گا نیز مومنین کو سابقہ حالت کفر کی جانب لوٹا دے گا تو کیا ان کو نہیں معلوم تھا کہ سختی دھماکہ ایجاد کرتی ہے؟

چنانچہ نبیؐ قریش کی سختی سے بچنے "مستضعف مسلمانوں کو بچانے" دعوت عام اور اس کو تمام ممالک میں پہونچانے اور اس راہ میں مکمل آزدی پانے کے لئے ایک قابل اعتماد سہارے اور لوگوں کے رجوع کرنے کے قابل

پناہ گاہ کی تلاش میں تھے جبکہ قریش آپ کا جینا دوبھر کئے ہوئے تھے لیکن اسلام لانے سے انکار کرنے کے بعد آپ پر سختی کر کے قریش نے سخت غلطی کی کیونکہ ان کی ایذا رسانیاں جھیلنے کے بعد تو آپ ہرگز پناہ گاہ کے حصول اور انصار کی جستجو کئے بغیر چین سے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔

چنانچہ جب اسلام نے یثرب میں رواج پایا اور اس کے مددگاروں نے اسی خلاء (سہارے اور پناہ گاہ کے فقدان) کو پاٹ دیا۔ ہوا یہ کہ یثرب والے آپ کی خدمت میں آئے اور آپ کو اس پریشانی و تنگی سے نجات دلانے کے لئے اپنے شہر سے ہجرت کرنے کی درخواست کی اور آپ کی اس طرح بیعت کرتے ہوئے عہد کیا: ہم آپ کا اسی طرح دفاع کریں گے جس طرح اپنا اور اپنی عورتوں کا دفاع کرتے ہیں یہی رسول کی تمنا تھی جس کی آپ تلاش میں تھے اور اس کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ان کی درخواست قبول کر لی۔

جب قریش کو معلوم ہوا کہ اپنی دعوت کو پھیلانے کے سلسلہ میں طاقت و قوت حاصل کرنے آپ مکہ سے مدینہ جانا چاہتے ہیں تو آگ بگولہ ہو گئے اور انھوں نے آپ کی ہجرت کو روکنے کی کوشش کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہجرت کرنے کی صورت میں آپ کی شان اونچی ہو جائے گی اور حمایت و طاقت پانے کی صورت میں آپ کا پایہ مضبوط ہو جائے گا لیکن خدا جو چاہتا ہے فیصلہ وہی کرتا ہے۔

# دوسری فصل

## (ہجرت تا وفات)

### ہجرت نے اسلام کی کایا پلٹ دی

نبی کی یثرب کی طرف ہجرت نے آپ کو فقط قریش ہی سے محفوظ نہیں رکھا تھا بلکہ جزیرۃ العرب میں پرچم اسلام کے لہرانے اور قبیلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے میں بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ آپ ان مقاصد کو مکہ میں رہ کر حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ یثرب (جو بعد میں مدینۂ منورہ کہلایا) میں آپ پہونچے ہی تھے کہ مسلمان مکہ اور دور دراز علاقوں سے ہجرت کر کے آپ کے پاس آنے لگے یہاں تک کہ آپ کے گرد بڑی کثرت سے لوگ اکٹھا ہو گئے۔ یثرب اسلام کے لئے مضبوط قلعہ، قبیلۂ اوس و خزرج کو ایک پٹری پر جمع مہاجرین کے لئے بہترین پناہ گاہ اور حملہ آور دشمن کو روکنے کے لئے مناسب مقام تھا۔

### بھائی بندھن، نبی کی کامیاب سیاست

اسلام کے پائے کو مضبوط بنانے کے لئے آپ نے دو دو مسلمانوں کے درمیان عقد اخوت کا صیغہ جاری کیا یہاں تک کہ اپنے لئے بھی علیؑ کو بھائی

بنایا۔علیؑ کے علاوہ کون شخص ایسا تھا جس کا نفس پاکیزہ ہو اور اخلاق وصفات سب سے ممتاز تھیں تاکہ نبیؐ کا بھائی بن سکے؟ چنانچہ آپ نے دوسرے مسلمانوں پر علیؑ کو ہی بھائی بنانے میں ترجیح دی۔

اس عقد مواخات کے ذریعہ بھائی اپنے بھائی کی فکر میں رہنے لگا اس کی طرف مدد کا ہاتھ بڑھانے لگا جس طرح کہ شفیق بھائی اپنے بھائی کے ساتھ پیش آتا ہے، اس عمل سے بڑھ کر بھائی کی طاقت بڑھانے اور مدد کرنے کے لئے کون سا کام بہتر ہو سکتا ہے؟ چنانچہ مسلمانوں کے درمیان یہ بھائی چارگی کا رشتہ اسلام کی عمارت کی مضبوطی اور اس کے ستونوں کی استواری کا باعث قرار پایا۔ مسلمانوں کے قلوب کو تقویت اور ان کو مضبوط کرنے کے سلسلہ میں نبویؐ سیاست کا ایک کامیاب پہلو ہے۔

## اوس وخزرج کو جوڑنے میں سیاسی کردار:

دونوں قبیلوں کے درمیان کدورتیں اپنا رنگ دکھا رہی تھیں اور بلا وجہ خون بہہ رہے تھے۔ دشمنی اپنے اوج پر پہنچ چکی تھی جس کی وجہ سے وہ بڑی بری طرح ٹوٹ گئے تھے۔

جب نبیؐ ان کے درمیان پہونچے تو یہ اختلاف اسلام کی معنویت کی بنا پر ختم ہو گیا اور ان کے سینوں سے کدورتیں دم توڑ گئیں اس دشمنی کے خاتمہ پر ان کے درمیان گہرے روابط قائم ہو گئے، دوستی نے دشمنی کی جگہ لے لی اور پکے دوستوں کی طرح رہنے لگے۔ اسلام کی کون سی برکت ہے جسے تم درک نہیں

کر سکتے ہو اور کون سی نعمت ہے جو قابل شمار نہیں؟

## اہل نفاق کے ساتھ رواداری:

اسلام جب آیا، اس وقت نبیؐ مدینہ میں تھے تو اس کی روح لوگوں میں پھونک دی گئی یہاں تک کہ کچھ یہودیوں اور کچھ منافقین کو چھوڑ کر تقریبا پورا شہر مسلمان ہو گیا۔

منافقین کے پاس اظہار اسلام اور کفر کو پوشیدہ رکھنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا یہ رسالتمآبؐ کی حکیمانہ سیاست تھی کہ آپ نے ان سے رواداری کا رویہ اپنایا اور ان کے ساتھ خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

اسلام ایک نئی شاخ اور تازہ کونپل کے مانند تھا اس کے افراد مشرک ہونے کے قریب تھے لہذا اگر آپؐ ان کو آغاز ہی میں تمام احکام پر عمل کرنے کا حکم دے دیتے تو اس کو ان کا ضمیر گوارا نہ کرتا کیونکہ ایمان ان کے قلوب میں راسخ نہ ہوا تھا اور اگر آپ لوگوں کے ساتھ ان کے ضمیر کے اعتبار سے سلوک کرتے تو اپنے مددگاروں سے ہاتھ دھو بیٹھتے بلکہ ان کو بھی اپنا دشمن اور مد مقابل بنا لیتے۔

اس موقع پر خوش اخلاقی سے بڑھ کر کون سی سیاست زیادہ مؤثر اور مضبوط ہو سکتی تھی تا کہ آپؐ مددگاروں کی تعداد میں اضافہ بھی کریں اور دشمنوں کی تعداد گھٹا بھی دیں بہر حال دوستوں کو آپ ناراض نہیں کر سکتے تھے اس لئے آپؐ نے ان کے ذریعہ نہ جانے کتنی جنگیں لڑیں اور دشمنوں کا مقابلہ فرمایا ہے۔

### یہودیوں کے ساتھ معاہدہ:

یثرب اوراس کے مضافات میں یہودی اتنی بڑی تعداد میں آباد تھے جس کونظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا لہٰذا اگر نبیؐ ان کو زبردستی مسلمان بنانا چاہتے تو وہ کبھی قبول نہ کرتے بلکہ خانہ جنگی کرنے پر اتر آتے ویسے بھی یہودی مکار تو ہوتے ہی ہیں آسانی سے بات نہ مانتے۔ یہ آپ کی حکمت تھی کہ آپؐ نے ان سے معاہدہ کیا تا کہ ان کے شر سے محفوظ رہیں بلکہ یثرب پر حملہ کی صورت میں بچاؤ کے لئے ان میں سے مددگار تلاش کرلیں۔ چنانچہ آپ نے ان کے اور مہاجر و انصار مسلمانوں کے درمیان ایک معاہدہ تحریر فرمایا چونکہ اسلام اپنے ابتدائی دور سے گذر رہا تھا اس لئے یہ معاہدہ اسلام کی ترقی کا سبب قرار پایا جس کی وجہ سے آپؐ اپنے دشمنوں کی ایک جماعت کے آشکارا جنگ کرنے سے مطمئن ہو گئے۔

### قریش کے خلاف محاذ کی تشکیل:

نبیؐ کا سب سے بڑا مقصد قریش کے حملوں کو روکنا تھا کیونکہ وہ آپ کی قوم اور آپ کی سرسخت دشمن تھی جو صاحب اور صاحبانِ قدرت و طاقت بھی تھی۔ عرب کی نگاہیں ان پر لگی ہوئی تھیں اگر ان کی شوکت ختم ہو جاتی اور وہ پسپا ہو جاتے تو آپ کے لئے دیگر قبیلوں کا مقابلہ کرنا آسان ہو جاتا اور آپ کو غلبہ و بلندی حاصل ہو جاتی اور اگر قریش آپؐ پر غالب آجاتے تو اسلام کی شان و شوکت باقی نہ رہتی اور آپ کی تمام کوششیں ضائع ہو جاتیں۔ یہ آپ کی

سیاست تھی کہ آپ نے ایک محاذ قائم کیا تا کہ قریش کا مقابلہ کرسکیں چنانچہ آپؐ نے اوس و خزرج کے درمیان الفت ومحبت کی بنیاد ڈالی تا کہ وہ ید واحدہ ہوجائیں جس کی بنا پر ان میں سے کوئی دوسرے کو کمزور نہ کرے۔ آپؐ نے منافقین کو اپنے ساتھ اس لئے لگالیا کہ ان کے نفاق اور جنگ کے وقت ان کے دشمنوں سے ملحق ہونے سے محفوظ رہیں۔ یہودیوں سے اس لئے معاہدہ کیا تا کہ ان کی مکاریوں اور چالوں سے محفوظ رہیں۔ تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی اس لئے بنایا تا کہ وہ ایک دوسرے کو تقویت پہونچائیں۔ چنانچہ ان پراکندہ ومختلف گروہوں کی تشکیل کے ذریعہ ایک ایسا طاقتور محاذ وجود میں آگیا جس سے آپ کا ایک بڑا دشمن ڈرتا تھا۔

کامیابی کا وعدہ:

خداوند عالم کی خالص اطاعت، تنہا اس کے حکم کی بجا آوری کسی لالچ، خوف اور رجاء کے بغیر ہر زمانے اور علاقے میں بہت کم ہی لوگ کرتے ہیں۔

چونکہ نبیؐ لوگوں کی رگ سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ لوگوں کی قریش کے مقابلہ میں جان نکلی ہے لہٰذا آپؐ نے ان کو قریش پر فتحیاب ہونے کا یقین دلایا تا کہ فتح وظفر کی چاہ ان کو مقابلہ کے وقت ثابت قدم رکھ سکے اور جنگ کا سامنا کرتے وقت کمزور دلوں کی تقویت کی جاسکے خصوصاً لوگ دین میں نو وارد ہوں، ان کے قدم ابھی جمے نہ ہوں اور اسلامی تربیت کے مطابق ان کی تربیت نہ ہوئی ہو بلکہ ابھی اس کی تعلیمات کو انھوں نے مکمل طور پر حاصل

نہ کیا ہوتو طاقت وساز وسامان کا مقابلہ کرتے وقت، اپنے مقصد کو نہ پہچاننے اور جنگ کے انجام سے بے خبر رہنے کی صورت میں اکثریت جلد ہی آپؐ سے دور ہو جاتی۔

جبکہ قریش شان وشوکت وعظمت کے مالک تھے ان کے ہم پیمان قبیلے موجود تھے جن سے وہ ساز وسامان اور لڑنے کے لئے فوج طلب کرتے تھے تو مدینہ والے یہ حساب کیونکر نہ لگاتے؟ جبکہ ان کی دولت، ساز وسامان اور تعداد کم تھی۔ لہٰذا نبیؐ نے جو فتح وظفر کا وعدہ فرمایا تھا (جبکہ نبی کو وعدہ میں سچا ہونا چاہئے اور وہ کیسے اس چیز کا وعدہ کر سکتا ہے جس کے بارے میں وحی یا خدا کی طرف سے کوئی اطلاع نہ آئی ہو؟) اس کی وجہ سے قوم قریش کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہوگئی تھی اور وہ اس کے محبوب انجام (آخرت) سے مطمئن تھی اگر چہ کچھ دلوں میں بے اطمینانی اور کچھ نفوس میں تکذیب پائی جاتی تھی۔

لیکن منافقین کا مسلمانوں کی کامیابی سے ڈر ان کو اس بات پر مجبور کر رہا تھا کہ وہ مسلمانوں کو رسوا نہ کریں اور مسلمانوں کی صفوں میں اس طرح کھڑے ہو جائیں گویا انہیں میں سے ہیں بلکہ وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ (توبہ/۵۶)

اور یہ لوگ خدا کی قسمیں کھائیں گے کہ وہ تم میں ہی کے ہیں حالانکہ وہ لوگ تم میں سے نہیں کے ہیں مگر یہ لوگ بزدل اور متفرق ہیں۔''

## اسلامی تعلیمات اور سعادت:

اسلام بہترین اور اعلیٰ تعلیمات لایا ہے جو دنیا و آخرت میں انسان کے لئے سعادت کی ضامن ہیں ایسی تعلیمات جن کے فوائد واثرات کو ہر شخص جانتا ہے اگر چہ وہ درخشاں علم وفہم کا مالک نہ ہوان تعلیمات کی زیبائی کو دیکھ کر ہی عرب کے لوگ اسلام کی طرف راغب ہوئے تا کہ اس کے نئے لباس کو زیب تن کرلیں اور گمراہی اور ظلم وجہل کی تاریکیوں سے دور ہو جائیں ان الٰہی تعلیمات کو اختیار کرنے کے ذریعہ دنیا وآخرت میں حاصل ہونے والی سعادت کسی پر پوشیدہ نہیں، منکر بھی اس کا انکار نہیں کرسکتا اسی لئے ہم کو اس پر استدلال کی ضرورت نہیں اس سلسلہ میں ہم کچھ مطالب انشاء اللہ تعالیٰ تیسری فصل صفحہ ۱۶۹ پر بیان کریں گے۔

## اسلامی معارف:

قرآن کریم میں ایسے معارف آئے ہیں جنہوں نے اقوام یعنی ان اہل کتاب کو انگشت بدنداں کردیا جو خود کو منْ جانبِ اللہ سمجھتے تھے۔قرآن میں ہر علم سے کچھ نہ کچھ ضرور موجود ہے، ہر نظام کا تذکرہ ہے اور ہر چیز کا بیان ہے گویا قرآن میں ہر خشک وتر کا تذکرہ ہے[۱] کیسے ان جاہل عربوں کو جو معارف وعلوم وفنون کے مالک نہیں تھے قرآن جیسا خزانہ ہاتھ لگ گیا؟ بہر حال یہ قرآنی تعلیمات و معارف ہی ہیں جو اپنے حامل (نبیؐ) کی نبوت پر بہترین دلیلیں اور

نشانیاں ہیں۔آپ کی نشانیاں کتنی زیادہ ہیں اور اس کی حجتیں کتنی نورانی ہیں!

دین اسلام اس برق رفتاری سے جو پھیلا ہے اس میں اس کی تعلیمات ومعارف کا بڑا ہاتھ ہے۔

## اسلام دین فطرت ہے:

اسلام نے جو تعلیمات پیش کیں، وہ اس فطرت کے موافق تھیں جس پر خدا نے لوگوں کو خلق فرمایا ہے اسلام کے تمام احکام وقوانین کو عقل مقدس و محترم سمجھتی ہے، ان کو منطق کے موافق پاتی ہے اور یہ حکم لگاتی ہے کہ یہ احکام، انسانی معاشرے کی بھلائی، تہذیب نفوس، نفوس کو جہالت وگمراہی کی پستی سے نجات دلانے اور نفوس کو ایسے ایک پرچم تلے جمع کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں جہاں سفید فام وسیاہ فام وشریف وکم حیثیت افراد بھی ہوں اس عام نظام میں کسی کو کوئی برتری حاصل نہ ہو اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (حجرات/۱۳) یعنی ”اس میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تم سب میں کم تھا؟ اور وہ دفاع کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے تو ان کو فتح وظفر کیسے ملتی اور جب ان کے پاس ایسی جماعت اور تیاری نہیں تھیں جن کے ذریعہ فتح کی امید کی جاسکتی لہٰذا اسلام کی آواز صدا بہ صحرا ہی ثابت ہوتی۔

وہ اسلام جس نے اپنے معارف کے ذریعہ کائنات کو متحیر کردیا، اپنی

---

[۱] چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَاناً لِکُلِّ شَیْءٍ (نحل/۸۹) یعنی اور ہم نے تم پر کتاب (قرآن) نازل کی جس میں ہر چیز کا (شافی) بیان ہے۔

تعلیمات کے ذریعہ روئے زمین کی سیر کی، اس کے نظاموں کے ذریعہ عقلیں بیدار ہوئیں، وہ اسلام جو ایسے احکام لایا جو فطرتِ بشری اور معیار عقل کے مطابق تھے، ایسا اسلام آگے بڑھنے یا انتقام یا سکونِ نفس کی وجہ سے جنگ نہیں چھیڑ سکتا تھا۔

وہ دین جو قصاص کا حکم دیتا ہے، گرچہ معمولی زخم لگا ہو یا دانت یا کان کو تکلیف پہونچی ہو، ایسا دین بلاوجہ جان، مال اور آبرو کو سلب کرنے کا حکم نہیں دے سکتا۔ وہ دین جو زیادتی سے روکتا ہے اگرچہ گالی کے ذریعہ ہو اور ظلم سے روکتا ہے اگرچہ درہم کے ذریعہ ہو، ایسا دین بلاوجہ ایسی جنگ کا حکم نہیں دے سکتا جو انسان کی قیمتی جان کو لے لیتی ہے وہ دین جو معافی، نیکی، عدل اور شائستہ انداز میں گفتگو کا حکم دیتا ہے وہ تسلط اور حکومت کی خاطر انتقام، برائی، ظلم اور سنگدلی کا حکم نہیں دے سکتا۔

اسی لئے آپ کی وہ جنگیں، دفاع اور حملہ کو روکنے کے لئے تھیں البتہ آپ کی ابتدائی جنگیں اس بہتر نظام کو چلانے کے لئے تھیں جو دنیا وآخرت میں انسانوں کی سعادت کا ضامن ہو۔

اور چونکہ امن پھیلانے کے لئے کچھ رکاوٹوں کو دور کرنا ضروری تھا لہٰذا عقل بلکہ فطرتِ بشر ان رکاوٹوں کو دور کرنا اور راستوں کو صاف کرنا ضروری قرار دیتی تھی تاکہ حق بغیر رکاوٹ کے آگے بڑھے اور مصلحت بغیر مزاحمت کے پائی جائے اگرچہ اس سلسلہ میں زحمت ہو یا خون بہائے جائیں جب تک کہ

غرض اہم ہو اور مقصد اعلیٰ ہو۔

آخر مہذب و آگاہ شخص اپنا کچھ خون نکالنے کے لئے کس طرح فصاد (خون نکالنے والا) کو اپنے بدن پر مسلط کر سکتا ہے جب تک مقصد اہم نہ ہو یعنی پورے بدن کی بہتری چاہے مختصر درد اور بدن کے سبب سے ایسے اہم مواد کو نکالنے کے ذریعہ ہو جن کے ذریعہ وجود و حیات کا قوام ہے؟ یا یہ کہ جراح کے حوالے خود کو کر دے تاکہ وہ اس کے کچھ اعضا کو قطع کرے جب تک نتیجہ بہتر نہ ہو یعنی بیماری پھیلنے سے باقی اعضا کا سالم رہنا تاکہ اس طرح اپنے وجود اور حیات کی حفاظت کر سکے؟

اگر ہم ان شواہد کو ذکر کرنا چاہیں جن کو عقلاً اپنے زندگی میں اختیار کرتے ہیں تو ہم اپنے مقصد سے خارج ہو جائیں گے۔

## موجودہ جنگ اور صلح:

اس موجودہ جنگ (۱) کے سلسلہ میں کچھ قومی لیڈران کا خیال ہے کہ جس سبب کے تحت انھوں نے اس جنگ کو شروع کیا اور اس کے شعلۂ آتش کو روشن کیا کہ جس نے خشک و تر کو جلا ڈالا اور روئے زمین پر یہاں تک کہ افریقہ کے خالی جنگلوں میں بھی کوئی اس کی زد میں آنے سے نہیں بچا، وہ سبب بہت اہمیت کا حامل ہے یعنی صلح کو پھیلانا، دنیا میں آزادی کو عام کرنا، دنیا والوں کو

---

(۱) اس سے دوسری عالمی جنگ عظیم مراد ہے جو ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۳۹ء سے شروع ہوئی اور آج یعنی ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰ راپریل ۱۹۴۳ء تک جاری ہے اور نہیں معلوم کب ختم ہوگی؟

سامراج کے چنگل سے نجات دلانا، تجارت سے پابندی ہٹانا تا کہ وہ بغیر نگرانی اور ٹیکس کے انجام پائے قیمتیں کم ہو جائیں اور نفع عام ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔

ہم اس خیال کی درستی یا بطلان کے سلسلہ میں گفتگو نہیں کرنا چاہتے البتہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب عقلاء اپنے ان کاموں کے لئے کہ جن کی وجہ سے لاکھوں افراد لقمہ اجل بن گئے، کروڑوں افراد ظلم کا شکار ہو گئے، ممالک تباہ ہو گئے، شہروں کی رونق ختم ہو گئی، اور ایسے مظالم ڈھائے گئے جن کے شمار کرنے سے قلم ناتواں ہے، جب عقلاء اپنے ایسے کاموں کے لئے ایسی تاویلات سے تمسک کر سکتے ہیں جو منطقی شکل کی براہین سے قریب ہوں اور سادہ افراد کے کے لئے قابل قبول ہوں تو نبی لوگوں کو ان کاموں پر آمادہ کیوں نہیں کر سکتے جن میں ان کی بھلائی ہو جبکہ خالق کی جانب سے آپؐ کو اس چیز کا حکم بھی دیا گیا ہے؟ اگر چہ اس سلسلہ میں سلامتی کی خاطر عام سوسائٹی کے کچھ لوگوں کا خون ہی کیوں نہ بہہ جائے۔ بیمار اگر دوا پینے سے انکار کرتا ہے جبکہ اس میں اس کی شفا ہوتی ہے تو کیا یہ درست نہیں کہ اس کو دوا پینے پر مجبور کیا جائے؟ جبکہ دوا پینے اور پلانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ فائدہ اسی کو پہونچے، اس کا جسم تندرست ہو جائے اور اس کے ذریعہ اس سے درد اور بیماریاں دور ہو جائیں۔

کیا جراح کی اس شخص کے اعضاء کاٹنے کے سلسلہ میں ملامت کی جاتی ہے جس کے بعض اعضاء میں ایسی خطرناک اور مہلک بیماری کے پنجے گڑ گئے ہوں جس سے بے توجہی کرنا اس کی موت واقع ہو جانے کا باعث ہو۔

اب اگر وہ طبیب بیمار کو اس حصہ کے جدا کرنے پر مجبور کرے تا کہ اس کے دوسرے حصے سالم رہیں اور اس کی زندگی باقی رہے تو اس میں ڈاکٹر کا قصور کیا ہے؟

## نبیؐ کی جنگوں کا فائدہ:

اگر وہ جنگیں پیش نہ آتیں جو نبی اکرمؐ نے دفاع وحملہ کرنے کی خاطر قریش وغیرہ سے لڑے ہیں تو اسلام ممالک میں نہ پھیلتا، اس کی اچھی وموثر تعلیمات عام نہ ہوتیں اور اس کے بہترین معارف منتشر نہ ہوتے۔ اگر امت اپنے وجدان وعقل سے کام لیتی اور ان احکام اور نظام سے بھر پور فائدہ اٹھاتی تو نہ کوئی جاہل ونا آشنا رہتا اور نہ ہی کوئی منکر ومخالف ہوتا۔ اس فائدہ کو عام کرنے کے سلسلہ میں بہنے والے خون اور لٹنے والی دولت کی بھلا کیا حیثیت ہے؟

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ جنگیں اسی وقت پیش آئیں جب دشمنوں پر حجت تمام ہوگئی اور ان کو عذاب الٰہی سے ڈرادیا گیا ان سے خوشی ورضایت کے ماحول میں وحدانیت کے اقرار اور رسالت کے اعتراف کا مطالبہ کیا گیا رسول اکرمؐ نے صرف انہیں لوگوں سے جنگ کی جو جنگ اور مخالفت پر اڑے رہے۔ مسلمان ہونے کے بعد بحرین اور یمن والوں نے سعادت وعزت ہی پائی بلکہ ان یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی سعادت و عزت ہی پائی جنھوں نے جزیہ دینا منظور کیا اور جنگ سے گریز کیا۔

جب دنیاوی لیڈران سامراج کو فائدہ پہنچانے یا آزادی اور عام سلامتی کی خواہش کے دعوے کی بنا پر اپنی قوموں کو خطرات یا ہلاکت میں ڈال سکتے ہیں تو کیا مضائقہ ہے کہ جناب رسالتمآبؐ ہدایت کے مخالف کو جنگ کی دھمکی دیں جب وہ اپنی مخالفت پر قائم رہے؟ اور ان جنگوں میں کیا حرج ہے جب لوگ ان کے ذریعہ سعادت و ترقی حاصل کریں اور فضل و عرفان کے مرتبہ پر پہنچیں؟ اگر زمانے والوں نے جہاں ان جنگوں کے بھڑکانے والوں کے ناپاک ارادوں کو معلوم کیا ہے یا عنقریب معلوم کریں گے کہ ان کا مقصد تجارتی منافع، سامراجی نفوذ کو وسعت دینا اور فخر و مباہات و حسد تھا تو وہاں انھوں نے پیغمبرؐ اسلام کے عزائم کی سچائی کو بھی معلوم کیا ہے اور اس بات کو بھی معلوم کیا ہے کہ جس مقصد کے لئے آپؐ نے پوری زندگی جہاد کیا وہ انسانوں کو سخت گمراہی کی تاریکیوں سے نکالنا، جہالت کی خطرناک بیماری سے نجات دلانا اور ظلم کی جلادینے والی تپش سے نکال کر ہدایت کے نور ساطع، علم کی سعادت بخش زندگی اور عدل کے عام سایوں کی طرف لانا تھا۔

## اسلام سے پہلے عرب:

اگر عرب والوں میں کرم، پڑوسی کا خیال رکھنا، مہمان نوازی، وعدہ وفا کرنا وغیرہ جیسی اچھی صفات پائی جاتی تھیں تو ان میں بری عادتیں بھی بہت زیادہ تھیں منجملہ ان میں لوٹ مار، قتل و غارت، زندہ در گور کرنا، ظلم، جہالت اور بتوں کی پرستش جیسی بری عارض پائی جاتی تھیں۔

اہل عرب، قبیلوں اور قیادتوں میں بٹے ہوئے تھے ہر قبیلہ کا ایک نظام تھا اور ہر نظام میں تبدیلی ہوتی رہتی تھی چھوٹی باتوں پر ان میں جنگیں چھڑ جاتی تھیں۔ آپ کو ''بسوس'' اور ''فجار'' جیسی جنگوں کے سلسلہ میں تو معلوم ہی ہوگا جو طویل عرصے تک جاری رہیں۔ یہ بھی معلوم ہوگا کہ عرب والے، جنگ اور دشمنوں کے مقتولین کی کثرت پر فخر کرتے تھے۔ بھلا ان خونوں کے بہنے اور ان نفوس کے ضائع ہونے کا کیا جواز تھا؟

دوسروں پر عربوں کا تسلط نہیں تھا بلکہ خود ان کا تسلط بھی وسیع نہیں تھا چنانچہ شام کے مضافات میں ''غسانہ'' حاکم تھے جو قیاصرہ (حکام روم) کے زیر تسلط تھے اور ''حیرہ'' میں ''مناذرہ'' حاکم تھے جو اکاسرہ (حکام ایران) کے زیر تسلط تھے ان دونوں کے علاوہ کسی کو قابل ذکر تسلط حاصل نہ تھا یمن کے سوا لیکن یمن بھی طویل عرصے تک حبشیوں کے زیر تسلط رہا جن سے یمن والوں کو اکاسرہ (حکام ایران) نے نجات دلائی جب کہ حکام ایران سے سیف بن ذی یزن نے مدد طلب کی لیکن اس احسان کے ذریعہ وہ حاکم ایران کے تابع اور ممنون کرم ہو گئے۔

اسلام کے بعد عرب:

جب خداوند تعالیٰ نے کائنات پر محمد عربی کے ذریعہ احسان فرمایا جس کا آفتاب ام القریٰ میں چمکا اور بڑی زحمت و مشقت کے بعد عرب والے اس کے تابع ہو گئے تو وہ ان الٰہی تعلیمات اور قرآنی معارف کی برکتوں کے سبب

ایک سعادت مند امت قرار پائے ۔ وہ ان بر سر پیکار مختلف قیادتوں کے بعد ایسے ایک قائد کے تابع ہو گئے جوان کی ہدایت اور بلندی کی جانب راہنمائی کر رہا تھا وہ جنگ واضطراب کے بعد سکون وسلامتی میں آگئے، دشمنی کے بعد بھائی اور دوست ہو گئے، لوٹ مار کے خوف کے بعد امن وچین میں آگئے، ظلم وسنگدلی کے بعد عطوفت ورحمت میں آگئے، فقر ونیاز مندی کے بعد بے نیازی وگشایش میں آگئے بتوں کی پرستش کے بعد خداوند رحمٰن کے بندے ہو گئے جہالت کے بعد صاحبان علم ہو گئے، خون بہانے کے بعد قصاص کی برکت سے داخل حیات ہو گئے وغیرہ جیسی جیسی مذموم صفات جن پر وہ قائم تھے اور بعد میں اچھی صفات کے مالک ہو گئے۔

اب رہی حکومت امن کے سلسلہ میں گفتگو کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ بادشاہ ہو گئے جب کہ وہ تابع تھے، سیاستمدار ہو گئے جب کہ پہلے دوسرں کی سیاست کے تحت تھے، حاکم ہو گئے جب کہ محکوم تھے وہ قیاصرہ (حکام روم) کی زمینوں اور اکاسرہ (حکام ایران) کے تاج کے مالک ہو گئے کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ ایران وروم اور ماوراء البحر کی سرزمینیں ان کے زیر قدم تھیں اور یہ سب امتوں کے خیال میں بھی نہیں تھا بلکہ عرب والوں نے پہلے کبھی اس کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔

یہ سب نبی اکرمؐ کی انہیں جنگوں کی برکت سے تھا جن کے ذریعہ آپؐ نے عرب کو اپنا تابع بنا لیا، انھوں نے ان کے ذریعہ آپ کی تعلیمات کو

مانا، آپ کے معارف کو قبول کیا اور ایک پرچم تلے اکٹھے ہو گئے۔

ہم دوبارہ کہتے ہیں: دینِ اسلام کو پھیلانے، اس کی تعلیمات و معارف کو عام کرنے، بشریت کو گمراہی کی سرگردانیوں، جہالت کی تاریکیوں اور شرک کے اندھیروں سے نجات دلانے کی راہ میں بہنے والے خونوں کی بھلا کیا حیثیت ہے؟ یہاں تک کہ زیادہ مدت نہیں گذری کہ انھوں نے اس بات کو سمجھ لیا کہ وہ گہری غفلت اور سخت نادانی میں تھے اور یہ کہ وہ تاریکیوں سے نور کی جانب ضائع شدہ وقت پر افسوس کے ساتھ نکل آئے جس کو انھوں نے نبیؐ سے دشمنی اور جنگ میں گذارا تھا؟

بدن کو کیا نقصان ہے اگر اس کے خون کا ایک قطرہ اس کی بھلائی کے لئے بہہ جائے؟ جبکہ بدن کام کرنے کے سلسلہ میں زیادہ طاقتور اور عالمِ وجود و حیات میں زیادہ مزہ اٹھاتا ہے؟ اگر وہ جنگیں نہ ہوتیں تو بھلا آج اسلام کہاں ہوتا؟ اور وہ دعوت و صلح سے کیسے پھیلتا جبکہ قریش اس کی گھات میں کھڑے ہو گئے تھے؟ اگر نبی اکرمؐ جانتے ہوتے کہ قریش آپ کو اس اسلام کو اپنے حال پر چھوڑ دیں گے جس طرف آپ لوگوں کو بلا رہے تھے تو آپ بھی قریش کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے اور ان سے اتنی جنگیں نہ لڑتے یہاں تک کہ ان میں حقیقت کی سمجھ پیدا ہو جاتی اور وہ کچھ مدت بعد ہی سہی تابعِ اسلام ہو جاتے لیکن انھوں نے آپ سے مقابلہ کی ٹھان لی جبکہ آپ نے بدر کے دن بھی ان کو یہ پیغام دیا کہ میں تمہارے ساتھ جنگ کی پہل کرنے کو ناپسند کرتا ہوں لہٰذا مجھ کو

عرب کے ساتھ چھوڑ کر واپس چلے جاؤ لیکن قریش نے ایسا کرنے سے گریز کیا اور آپ سے لڑنے پر اصرار کیا جس کی وجہ سے جنگ ناگزیر ہوئی۔

جنگ بدر:

حادثۂ بدر نبیؐ اور قریش کے درمیان پہلی اہم جنگ تھی بلکہ رسول کی پہلی جنگ تھی اس میں قریش ایک ہزار کے قریب تھے جبکہ مسلمین فقط تین سو تیرہ تھے۔ ساز وسامان میں دونوں فریقوں میں فرق، تعداد میں فرق کی طرح تھا بلکہ مسلمانوں کا ساز وسامان قریش کا مقابلہ کرنے کے لئے ناکافی تھا تو قریش جیسے دیگر قبائل کا مقابلہ کرنے کے لئے کیونکر کافی ہوتا؟ لیکن خدا نے اپنے نبیؐ کی نصرت اور اپنے دین کی حفاظت کی کیونکہ اگر اس میں مسلمان پلٹ جاتے۔

(جبکہ یہ پہلی جنگ تھی اور لوگ تبدیلی کے دور سے گذر رہے تھے اور اسلام ان کے لئے ایک نئی کونپل کے مانند تھا۔) تو اس کا بہت بڑا اثر دلوں پر پڑتا اور اسلام اس راکھ کی مانند نابود ہو جاتا جس کو ہوا تیزی سے اڑا کر لے گئی ہو۔ چنانچہ مشرکین کی تباہی ہوئی اور وہ شکست کھا کر بھاگ گئے جبکہ ان کے ستر آدمی مارے جا چکے تھے جن میں سے آدھے مولائے کائناتؑ کی تلوار سے مارے گئے۔ مال غنیمت کے علاوہ مسلمانوں کے ہاتھوں ستر لوگ قید بھی ہوئے۔ اکثر مقتولین اور قیدی قریش کے صاحبان حیثیت افراد تھے۔ لہٰذا یہ کامیابی اسلام کے خیمے کو بلند اور شرک کے سائبان کو ہٹانے کے لئے ایک

بہت بڑے طاقتور ستون کی حیثیت رکھتی تھی۔

خداوند عالم نے اس حادثہ کا اپنی کتاب میں تذکرہ فرمایا ہے اور بدر سے پہلے مسلمین کی حالت کو بیان کیا ہے چنانچہ سورۂ آل عمران کی ۱۲۳ ویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے: "وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ..." "یقیناً خدا نے جنگ بدر میں تمہاری مدد کی باوجود یکہ تم (دشمن کے مقابلہ میں) بالکل بے حقیقت تھے (پھر بھی خدا نے فتح دی)" قیدیوں کے معاوضہ میں اتنی عظیم دولت لی گئی جس سے اسلام کو تقویت پہونچی اور اسلام کے سلسلہ میں ان کے عزائم پختہ ہو گئے۔

حادثۂ بدر کے بعد اسلام کی عظمت میں اضافہ کی ایک دلیل یہ ہے کہ عرب والوں نے اپنے وفد رسول اکرم کی خدمت میں روانہ کئے۔

حادثۂ بدر کے چند ماہ بعد کسریٰ اور ربیعہ کے درمیان ذی قار کا سانحہ پیش آیا تو ربیعہ نے اپنے لشکر سے کہا کہ تہامی کا نعرہ لگاؤ تو انھوں نے یا محمدؐ یا محمدؐ کا نعرہ لگایا جس کی بنا پر انھوں نے کسریٰ کے لشکر کو پسپا کر کے قتل کر ڈالا اس موقعہ پر رسولؐ نے فرمایا تھا: "یہ پہلا دن ہے جس میں عرب والوں نے عجم والوں سے اپنا حق لیا اور میرے ذریعہ ظفریاب ہوئے"

جنگ احد:

خدا نے چاہا کہ ہمیشہ اسلام ہی کو غلبہ حاصل نہ ہو اگرچہ اس کی حجت غالب رہے، شاید مصلحت اسی میں رہی ہو کہ جنگوں میں کبھی اسلام کو شکست ہو

اور کبھی جیت و کامیابی کے ساتھ آگے بڑھے ۔ اگر ہر جنگ میں ظفر اسلام کا مقدر ہوتی تو مسلمان خود پسندی و تکبر میں مبتلا ہو جاتے اسلام کے شکست کھانے کی ایک وجہ یہ تھی کہ مسلمان اس بات کو مان لیں کہ کامیابی خدا کی جانب سے ہوتی ہے کثرت اور ساز و سامان کے ذریعہ نہیں چنانچہ خدا نے یہ طے کر رکھا تھا کہ جنگ احد میں مسلمان کامیاب نہ ہوں اگر چہ بدر کے مقابلے میں ان کی تعداد اور ساز و سامان زیادہ ہی کیوں نہ ہو کہ یہی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ کامیابی خدا کے اذن سے ہوتی ہے۔

ابتدائے جنگ میں کامیابی مسلمانوں کو ملی یہاں تک کہ مولائے کائناتؑ نے بنو عبد دار کے پرچم داروں کو قتل کر دیا یہ نو افراد تھے، اور دسواں ان کا غلام تھا۔

جیسے ہی مشرکین کا پرچم گرا وہ پسپا ہو گئے اور مسلمان ان کے مال و اسباب کو لوٹنے میں لگ گئے لیکن خالد بن ولید نے پہاڑ کو ان افراد سے خالی پایا جو وہاں تعینات تھے ۔ رسولؐ نے ایک جماعت کو پہاڑ کے پاس ٹھہرنے کے لئے حکم دیا تھا انھوں نے جب مشرکین کی پسپائی اور مسلمانوں کو مال و اسباب لوٹتے دیکھا تو ان چند افراد کے علاوہ جنہوں نے نبیؐ کے حکم کو لوٹ مار پر ترجیح دی باقی سب پہاڑ کو چھوڑ کر مال و اسباب لوٹنے میں لگ گئے ۔ چنانچہ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل ایک جماعت کے ساتھ لوٹ آئے اور ان چند مسلمانوں کو شہید کر دیا جو پہاڑ پر حکم رسولؐ سے مورچہ سنبھالے ہوئے تھے پھر

ان مسلمانوں پر پشت سے حملہ کیا جو مال و اسباب لوٹنے میں لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ اب تک جو مشرکین پسپا ہو چکے تھے اچانک کامیاب ہو گئے اور اب پسپائی مسلمانوں کے نصیب میں آگئی۔ اگر مولائے کائنات رسولؐ کا دفاع کرنے کے لئے نہ اٹھ کھڑے ہو گئے ہوتے، جن کو مشرکین نے گھیر لیا تھا اور مشرکین کو رسولؐ سے دور نہ کیا ہوتا تو رسولؐ ان کے ہاتھوں سے نہ بچ پاتے جبکہ مسلمانوں کو رسولؐ کے قتل کئے جانے کا یقین ہو چلا تھا۔



اسی دن جناب حمزہؓ شہید ہوئے جو خدا اور اس کے رسولؐ کے شیر تھے۔ آپ کے اعضائے بدن کو ہندہ بنت عتبہ زوجۂ ابوسفیان مادر معاویہ نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا یہاں تک کہ آپ کے بدن کے ایک ٹکڑے کو چبا کر اُگل دیا جس کی بنا پر اس کا نام "آکلۃ الاکباد" (جگر چبانے والی) پڑ گیا۔

احد کے دن جبرئیلؑ نے یہ ندا دی: لَاسَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارِ وَلَافَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ یعنی "ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار نہیں اور علیؑ کے سوا کوئی جوان نہیں۔"

آپؑ کی ثابت قدمی اور حملوں سے فرشتے متعجب تھے اور مسلمان بے چینی کے عالم میں تھے۔ دہشت کی بنا پر ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں وہ پیٹھ پیچھے کر کے بھاگ رہے تھے۔

## بنی نضیر کی جلاوطنی:

حضرت رسولؐ خدا نے جنگ احد کے بعد چھوٹے کچھ غزوات، سرایا اور واقعات کا سامنا کیا ان میں سب سے اہم بنی نضیر کی جلاوطنی ہے یہ

یہودیوں کی ایک جماعت تھی ان کی تعداد ایک ہزار تھی انھوں نے رسولؐ خدا سے جو معاہدہ کیا تھا اس کو توڑ ڈالا پھر آپؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو آپؐ ایک جماعت کے ساتھ ان کی طرف روانہ ہوئے جب آپؐ نے ان میں سے چند لوگوں کو قتل کر دیا تو انھوں نے شام جلاوطن ہونے اور خود آپؐ کے ملک سے نکل جانے پر صلح کی ان کے مکانات مقام ''فُرع'' اور اس کے مضافتی علاقہ میں تھے۔ نبیؐ نے ان کی دولت کو اپنے قبضہ میں لے کر مہاجرین وانصار کے درمیان تقسیم کر دیا البتہ اپنے مخصوص حصہ کے سلسلہ میں مولائے کائناتؑ کو حکم دیا جنہوں نے اس کو حاصل کر کے صدقہ قرار دیا چنانچہ اس اور اس جیسے اقدامات سے مسلمانوں کو تقویت پہونچتی تھی اور اسلام کی ترقی وبلندی میں اضافہ ہوتا تھا۔

خندق واحزاب (۱):

جب بنی نضیر اپنے شہر سے جلاوطن ہو گئے تو انھوں نے رسولؐ کے خلاف سازش کرنا چاہی۔ اور یہ ایسی عادت تھی جوان میں راسخ ہو چکی تھی۔ چنانچہ وہ قریش کے پاس پہونچ کر ان کو نبیؐ کے خلاف ورغلانے لگے اور ان سے مدد کا وعدہ کیا۔ اور قریش نبیؐ پر شدتِ غیظ کی بنا پر دانتوں کو پیس رہے تھے اور جنگِ احد میں ان کی ظاہری فتح نے بھی ان کے سینے کی آگ کو نہیں بجھایا تھا۔ چنانچہ وہ قبیلوں کو پکارتے ہوئے نکلے جنہوں نے ان کی دعوت کو لبیک کہا وہ قریش اور ان کی اتباع کرنے والے اہل کنانہ اور اہل تہامہ تھے جو ابوسفیان کی قیادت میں دس ہزار کی تعداد میں نکلے تھے اور غطفان اور ان کی اتباع کرنے

والے اہلِ نجد آٹھ ہزار کی تعداد میں نکلے تھے۔

جب نبیؐ کو اس صورت حال کا علم ہوا تو آپؐ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا انھوں نے مدینہ میں ہی رہنے کا مشورہ دیا۔ سلمانؓ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا چنانچہ مشرکین نے چڑھائی کی اور قریش سبزہ زار اور جنگل کے درمیان ٹھہر گئے اور غطفان احد کی سمت میں جا ٹھہرے نبیؐ کے لشکر کی تعداد تین ہزار تھی انھوں نے اپنی پشت پہاڑ کی طرف کی جبکہ خندق ان کے اور مشرکین کے درمیان حائل تھی مسلمانوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو اہل مدینہ کے قلعوں میں پہونچا دیا تھا۔

مشرکین کی تعداد اور کثرت کو دیکھ کر مسلمان پریشان ہو گئے اور ان کے سامنے تھر تھر کانپنے لگے۔ خداوند سبحان نے مسلمانوں کی حالت اور بے چینی کو سورۂ احزاب میں اس طرح بیان کیا ہے:

اِذْ جَاؤُکُمْ مِنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا، هُنَالِکَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا، وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا (سورۂ احزاب/۱۰تا۱۲) یعنی

---

(۱) جنگ خندق کو خندق اس وجہ سے کہا جاتا ہے جو مسلمین نے کھودی تھی اور احزاب اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ مشرکین گروہ گروہ اور بہت زیادہ تھے۔

''جس وقت وہ لوگ تم پر اوپر اور نیچے کی (بلکہ چاروں) طرف سے ٹوٹ پڑے اور جس وقت (ان کی کثرت سے) تمہاری آنکھیں خیرہ ہو گئی اور مارے خوف کے تمہارے کلیجے منھ کو آگئے تو تم خدا کے بارے میں طرح طرح کے (برے) خیال سوچنے لگے تھے حالانکہ یہ صرف مومنوں کا امتحان لیا گیا تھا اور خوب اچھی طرح جھنجھوڑے گئے تھے پس (ناکام) منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا کہنے لگے تھے کہ خدا نے اور اس کے رسولؐ نے جو وعدے کئے تھے وہ بس بالکل دھوکہ تھے۔'' مدینہ میں موجود منافقین کا نفاق ظاہر ہو گیا جیسا کہ خداوند عالم نے مذکورہ آیت میں اس کی خبر دی ہے خصوصاً جب بنی نضیر کے سردار حُیَی بن اخطب کی کوششوں کے نتیجے میں بنی قریظہ نے عہد شکنی کی۔ چنانچہ خندق کو دیکھ کر مشرکین نے کہا کہ یہ ایسی چال ہے جس کو عرب والے نہیں چل سکتے تھے۔ مشرکین کو اپنی کثرت کی بنا پر بڑا ناز تھا اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ ضرور نبیؐ پر فتحیاب ہو جائیں گے خصوصاً جبکہ نبیؐ کے ساتھ عہد شکنی کر کے بنی قریظہ بھی ان کے ساتھ مل گئے تھے مسلمین پر ظاہر ہونے والی بے تابی اور منافقین پر ظاہر ہونے والی خوشی سے ان کے یقین میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ عمرو بن عبدود قریش کی ایک جماعت منجملہ ان کے عکرمہ بن ابی جہل، ضرار بن خطاب، ہبیرہ بن ابی وہب اور نوفل بن عبداللہ کے ہمراہ آیا انھوں نے خندق میں سے ایک تنگ راستہ دیکھ کر اپنے گھوڑوں کو کدا دیا اور ان کے گھوڑے خندق اور پہاڑ کے درمیان گردش کرنے لگے۔

عمرو نے "ھل من مبارز" کا نعرہ لگایا اور اپنا مد مقابل طلب کیا لیکن مسلمان خاموش رہے اور مولائے کائناتؑ کے علاوہ کسی میں اس کے سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی کیونکہ ان کو عمرو کی بہادری اور شجاعت کا علم تھا اور وہ جانتے تھے کہ عمرو تجربہ کار پہلوان ہے اور پیچھے سے کفار کے جمگھٹ اس کی تقویت کر رہے تھے اس کی جرأتمندی کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ خندق پار کر کے مسلمانوں کے سامنے ایک ہی جگہ کھڑا ہو گیا جب مولائے کائناتؑ اس کے مقابلے کے لئے نکلے تو رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا: "بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّهُ اِلَی الشِّرْکِ کُلِّهٖ" یعنی آج کلِ ایمان کلِ شرک کے مقابلے پر آگیا ہے۔

اور آپؐ نے آسمان کی طرف رخ کر کے فرمایا:

"اَللّٰھُمَّ اِنْ شِئْتَ اَنْ لَّا تُعْبَدَ لَا تُعْبَدْ" یعنی خدایا اگر تو چاہتا ہے کہ تیری عبادت نہ کی جائے تو تیری عبادت نہ کی جائے گی۔

چنانچہ مولائے کائناتؑ کے عمرو کو قتل کرنے کی وجہ سے مشرکین کو ایسی پسپائی ہوئی جس سے کوئی ناواقف نہیں۔

مولائے کائناتؑ اور ایمان:

مولائے کائناتؑ کے عمرو کے مقابلے پر جاتے وقت رسولؐ نے جو فرمایا تھا: "بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّهُ اِلَی الشِّرْکِ کُلِّهٖ" اور "اِنْ شِئْتَ اَنْ لَّا تُعْبَدَ لَا تُعْبَدْ" یہ اس مقابلے کے عظیم اثر نیز اس بات کی دلیل ہے کہ اس مقابلہ کے نتیجہ میں یا اسلام کی حیات اور خداوند رحمٰن کی عبادت ہوگی یا شرک کی

حیات اور بت پرستی ہوگی کیونکہ علیؑ کے عمرو پر غالب آجانے کی صورت میں شرک کی رسوائی اور شکست ہوتی جیسا کہ ہوئی اور عمرو کے علیؑ پر غالب آنے کی صورت میں اہل مدینہ کی نابودی ہوتی اور کیا نبیؐ اور آپ کے پاس موجود مسلمانوں کے مارے جانے کے بعد اسلام کا نام ونشان باقی رہتا؟ تو پھر اس سے بری گھڑی کون سی گھڑی ہو سکتی تھی؟



اس کے بعد اس میں تعجب کی گنجائش نہیں رہ جاتی جو (آنحضرتؐ سے) مروی ہے: خندق کے دن علیؑ کی ایک ضربت تمام انسانوں اور جنات کی عبادت کے برابر یا برتر ہے۔ "اگر وہ ضربت نہ ہوتی تو خداوند رحمٰن کی عبادت کہاں ہوتی؟ اگر وہ شمشیر نہ ہوتی تو اسلام کہاں ہوتا؟ کفار کی جماعتوں کی اتنی عظیم تعداد اور ساز و سامان ہونے کی صورت میں اسلام کا علاقہ کہاں رہ جاتا جبکہ ان کے دل دیگوں کی طرح اسلام اور نبیؐ اسلام کے خلاف پک رہے تھے؟ اور اگر وہ مسلمانوں کی اُس قلیل جماعت پر فتح پا لیتے تو آپ کی نظر میں ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے اگر شرک اسلام پر غالب آجاتا تو مشرکین کے لئے یہودیوں کی وہ جماعت ہی کافی تھی جو نبیؐ اور آپ کے اصحاب سے انتقام لینا چاہتی تھی بلکہ مدینہ میں موجود منافقین ہی کافی تھے کیونکہ ان کا خفیہ منصوبہ تھا کہ رسول کو زندہ مشرکین کے حوالے کر دیں۔

لہٰذا کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس دن اسلام کی حیات علیؑ کی حیات اور اسلام کی موت علیؑ کی موت سے وابستہ تھی اور اس میں بھی کوئی تعجب نہیں ہونا

چاہیے کہ مولائے کائنات کے عمرو کے ہاتھوں مارے جانے کی صورت میں پہلی بت پرستی پلٹ آتی نیز یہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں کہ آپؑ کا اس دن کا عمل تمام انسانوں اور جنات کی عبادت کے برابر یا برتر تھا کیونکہ آپؑ کی ضربت نے شرک کی شوکت وعظمت کا خاتمہ کیا اور اسلام کو حیات نو بخشی۔



## بنی قریظہ جنگ احزاب کے بعد:

یہودی بعثت سے پہلے (اپنے راہبوں کی زبانی) جانتے تھے کہ مبعوث ہونے کے بعد نبیؐ ان کے دین کا خاتمہ کردیں گے اسی لئے وہ آپ کے ان آباؤ اجداد کو ختم کرنا چاہتے تھے جن کے صلب میں آپؐ تھے تا کہ آپؐ عالم وجود میں نہ آئیں غرض آپ کے خیال میں ان کا اسوقت کیا حال ہوگا جب آپؐ ان کے درمیان عالم وجود میں آچکے تھے؟ لہٰذا انہیں کو آپؐ کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی تا کہ وہ سالم اور اپنے آداب ورسوم پر باقی رہ سکیں لیکن ان کے دلوں میں سوئے ظن، غداری اور سازش کرنے کا خناس بھرا رہتا تھا اور وہ اس سے کبھی چوکتے نہیں تھے۔

اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ ان کا کوئی فرقہ اپنے عہد پر باقی نہیں رہتا چنانچہ بنی نضیر نے عہد شکنی کی جبکہ رسولؐ ان پر فاتح وکامیاب تھے، اس فتح کے نتیجے میں بنی قریظہ کو عہد شکنی نہیں کرنا چاہیئے تھی لیکن وہ احزاب کی اس عظیم تعداد اور خوفناک ساز وسامان کی بنا پر مغرور ہو گئے اور بنی نضیر کے سردار حُیَی بن اخطب نے ان کو بھڑکا یا ان کے نفوس نے ان کو جنگ کے خاتمے، غبار کے

چھٹنے نیز اس بات کا بھی انتظار نہ کرنے دیا کہ فتح کس کی ہوگی اور اس وقت وہ اپنے سرانجام کو پہچان لیتے۔ چنانچہ جب احزاب پسپا ہو کر مدینہ سے دور ہو گئے اور امر خدا (مسلمانوں کو کامیابی کا معاملہ) آشکار ہو گیا۔ بہر حال عہد شکنی کی وجہ سے بنی قریظہ کو سبق سکھانے کا وقت آ گیا چنانچہ نبیؐ ان سے جنگ کے لئے آگے بڑھے کہ مولائے کائنات کے دستِ مبارک میں پرچم تھا جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمان ان سے لڑنے آئے ہیں تو بنی قریظہ نے اپنی کوتاہی پر ندامت کا اظہار نہیں کیا اور اپنے گذشتہ اعمال کے سلسلہ میں عذر خواہی نہیں کی بلکہ نبیؐ اور مسلمانوں کا استقبال نازیبا الفاظ سے کیا اور اپنے قلعوں میں پناہ لے لی۔ مسلمانوں نے ۲۵ شب ان کا محاصرہ کیا جب محاصرہ سے ان کو نقصان پہونچا اور انھوں نے دیکھا کہ مسلمان ان کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتے نیز ان کے نفوس اسلام قبول کرنے پر بھی راضی نہیں ہیں تو انھوں نے بنی نضیر کی طرح شام جلاوطن ہونے کی درخواست کی لیکن نبیؐ نے ان کے لئے فیصلہ پر عمل کرنے کے سوا ہر چیز سے انکار کر دیا۔ چنانچہ وہ سعد بن معاذ کا فیصلہ ماننے پر راضی ہو گئے۔ سعد بن معاذ قبیلۂ اوس کے بزرگ اور سردار تھے۔

بنی قریظہ اوس کے دوست تھے جبکہ بنی نضیر خزرج کے دوست تھے جب بنی قریظہ کی عہد شکنی کا علم ہوا تھا تو سعد خزرج کے رئیس سعد بن عبادہ کے ہمراہ ان کے پاس آئے تھے لیکن انھوں نے ان دونوں کو نازیبا باتیں سنائی تھیں۔

خندق کے دن سعد بن معاذ کے ہاتھ کی رگ یا شہ رگ حیات میں ایک تیر لگ گیا تھا جس کی بنا پر وہ منقطع ہو گئی تھی اور اس کا خون زیادہ بہہ گیا تھا تو سعدؓ کو یہ خطرہ ہوا کہ بنی قریظہ سے بدلہ لئے بغیر کہیں اُن کا پورا خون نہ نکل جائے اور وہ شہید نہ ہو جائیں لہٰذا انھوں نے خدا سے دعا کی کہ بنی قریظہ سے بدلہ لئے جانے سے پہلے ان کو موت نہ آئے چنانچہ خون رک گیا۔

بنی قریظہ سعد کے فیصلہ پر اس خیال سے راضی ہوئے کہ وہ اوس کے دوست ہیں اور یہ کہ سعد ان کے حق میں ایسا فیصلہ کریں گے جس میں ان کے لئے بہتری ہوگی اور وہ اپنی عہد شکنی، سعد اور مسلمانوں کو نازیبا باتیں سنانے اور اسلام کو مٹانے کے سلسلہ میں اپنی سازشوں کو بھول گئے یا بھولا ہوا بنا دیا چنانچہ جب وہ سعد کے فیصلہ پر راضی ہو گئے تو آپ نے مردوں کو قتل، عورتوں بچوں کو قیدی اور ان کے اموال کو انصار و مہاجرین کے درمیان تقسیم کئے جانے کا فیصلہ سنا دیا اس وقت رسولؐ نے سعد سے فرمایا: ''تم نے سات آسمانوں کے اوپر موجود خدا کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ سنایا ہے پس ان کے درمیان سعد کا فیصلہ نافذ کر دیا گیا۔''

اس کے بعد سعد کا زخم پھٹ گیا اور اس کا خون پورا نکل گیا یہاں تک کہ آپ شہید ہو گئے قتل کے لئے لائے جانے والے یہودیوں میں بنی نضیر کا سردار حُیَی بن اخطب بھی تھا جس نے قریش کے طوفان کو برانگیختہ اور بنی قریظہ کو عہد شکنی پر آمادہ کیا تھا، وہ بھی اپنی یہود کے ساتھ مارا گیا۔

اسلام کے ان سرسخت، مکار اور چالباز دشمنوں کے نابود ہوجانے کی وجہ سے راہ اسلام میں موجود ایک سخت پتھر ہٹ گیا اور اس کامیابی کے ذریعہ خدا نے اسلام کو بلندی عطا فرمائی۔

جنگ بنی مصطلق:

بنی مصطلق ،خزاعہ میں سے تھے وہ رسولؐ سے جنگ کرنے پر سر جوڑ بیٹھے حالانکہ اس جنگ کی کوئی وجہ نہیں تھی خصوصاً جبکہ خزاعہ بنی ہاشم کے حلیف تھے اسی لئے ان کی یہ سرکشی ان کی ناکامی کا سبب بنی ہاں اس جنگ کا بہت اچھا نتیجہ وسرانجام تھا کیونکہ نبی کو جب ان کی سرکشی کا علم ہوا تو آپ آمادہ ہوکر ان کی طرف روانہ ہوئے اور مقام ''مریسیع'' پر ان سے مڈبھیڑ ہوئی ''مریسیع'' مقام ''فرع'' سے ایک دن کی مسافت کے فاصلے پر بنی مصطلق کا ایک زرخیز علاقہ تھا چنانچہ جنگ میں بنی مصطلق کو شکست ہوئی نتیجے میں ان کے اموال، عورتیں اور بچے غنیمت کے طور پر حاصل ہوئے یہ فتح مولائے کائناتؑ کے ہاتھوں ہوئی۔

قیدیوں میں بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جناب جویریہ بھی تھیں جن کو آزاد کر کے رسولؐ نے ان سے شادی کر لی چنانچہ وہ آپ کی ازواج میں شامل ہوگئیں پھر ان کا باپ ان کو گھر لے جانے کے لئے آیا لیکن بیٹی نے جانے سے انکار کر دیا اور خدا و رسول کو انتخاب کیا۔ پھر بنی مصطلق مسلمان ہوگئے جس کی وجہ سے اسلام کی دولت اور افراد میں اضافہ ہوگیا۔

اس واقعہ میں عمر بن خطاب کے اجیر اور خزرج سے تعلق رکھنے والے

عمرو بن عوف کے ایک بیٹے کے درمیان اختلاف پیش آیا ہر ایک نے اپنی قوم سے فریاد کی تھی مہاجرین وانصار کے درمیان فتنہ پیدا ہونے والا ہی تھا اس موقع پر عبداللہ بن اُبی خزرجی نے کہا تھا: ان کی تعداد ہمارے شہر میں ہم سے زیادہ ہوگئی ہے خدا کی قسم اگر ہم مدینہ لوٹ گئے تو عزت دار (خود) ذلیل (رسولؐ) کو باہر کردے گا۔

یہ عبداللہ بن اُبی بن ابی سرح منافقین کا سردار تھا جو نبیؐ سے جلتا تھا کیونکہ اس کی قوم نے اس کو اپنا حاکم بنانے کا وعدہ کیا تھا لیکن اس کی آرزو یثرب میں اسلام اور نبیؐ کے آنے کی بنا پر پوری نہ ہوسکی تھی۔ بہرحال بعض انصار نے عبداللہ کو مدینہ آنے سے روکنا چاہا بلکہ اس کے بیٹے نے اس کو وہیں قتل بھی کرنا چاہا لیکن چونکہ بعض انصار نبیؐ کے پاس عذرخواہی کرتے ہوئے آئے اور کہنے لگے: خدا کی قسم یہ عبداللہ بن اُبی ہی ذلیل ہے اور آپؐ عزت دار ہیں چنانچہ نبیؐ نے اس کو معاف فرمادیا اور مہاجرین وانصار کے درمیان صلح کرادی۔

پھر کچھ دنوں بعد عبداللہ بن اُبی بیمار ہو کر مر گیا جس کی وجہ سے نفاق کا ایک رکن منہدم ہوگیا چنانچہ اسلام کبھی اپنی فتوحات کے ذریعہ پھیل کر بڑھ رہا تھا اور کبھی اس کے دشمنوں کی ہلاکت کے ذریعہ اس کی شان وشوکت میں اضافہ ہو رہا تھا۔

### فاسق ولید اور بنی مصطلق:

جب بنی مصطلق مسلمان ہوئے تو رسولؐ خدا نے ولید بن عُقبہ بن ابی معیط کو ان سے زکات وصول کرنے بھیجا (بنی مصطلق کو جب معلوم ہوا کہ رسولؐ

کا نمائندہ آرہا ہے تو وہ اس کے استقبال کو اپنے گھروں سے باہر نکل آئے لیکن چونکہ ولید اور بنی مصطلق کے درمیان زمانۂ جاہلیت میں دشمنی تھی لہٰذا ولید یہ سوچ کر کہ یہ لوگ مجھے مارنے کے لئے باہر نکل آئے ہیں ) مدینہ واپس پلٹ آئے اور بتایا کہ انھوں نے زکات دینے سے انکار کر دیا جبکہ یہ سچ بات نہ تھی



حضرت یہ سن کر غضبناک ہوئے اور ان سے جہاد کا قصد فرمایا اس وقت سورۂ حجرات کی چھٹی آیت نازل ہوئی: "یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ" یعنی "اے ایماندارو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو پہلے خوب تحقیق کر لیا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تم کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہونچاؤ اور پھر اپنے کیے پر نادم ہو۔"

چنانچہ خداوند متعال نے اس آیت کے ذریعہ ولید کو رسوا کیا، بنی مصطلق کو بے داغ کر دیا اور بنی مصطلق کو کچھ نقصان پہونچانے سے نبیؑ کے ہاتھ کو روک دیا۔ اگر نبیؑ ان کو کچھ نقصان پہونچا دیتے تو اپنے کیے پر نادم ہو جاتے کیونکہ اس طرح آپؑ درحقیقت مسلمان قوم کو نقصان پہونچاتے۔

اس خبر کے بعد ولید کو "فاسق" کہا جانے لگا ہم کو نہیں معلوم اس فسق کے بعد، جس کو قرآن نے صاف صاف بیان کیا ہے، ولید کس طرح ایسا عادل بن گیا کہ مسلمانوں پر حاکم بنایا جائے جبکہ یہاں اس سے ایسا عمل سرزد ہوا جس کو خدا نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے نیز اس سے ایسے اعمال سرزد ہوئے

جن سے بدن کانپتے ہیں مثلاً مستی کی حالت میں کوفہ کی گورنری کے دوران مسجد کوفہ میں اس نے صبح کی نماز چار رکعت پڑھادی اور پڑھانے کے بعد کہا: کیا اور پڑھاؤں؟ پھر محراب میں شراب کی قے کی اور قنوت میں پڑھا:

عَشِقَ الْقَلْبُ رَبَابَا        بَعْدَ مَاشَابَتْ وَشَابَا

یعنی "دل نے رباب کو چاہا جبکہ رباب بھی بوڑھی ہو چکی تھی اور دل بھی بوڑھا ہو چکا تھا۔" اس کے علاوہ بھی اس کے اور حالات اور کارنامے ہیں۔

سال حدیبیہ(۱):

حضرت رسولؐ خدا نے عمرہ کرنے کے ارادے سے مکہ میں داخل ہونا چاہا کیونکہ آپؐ نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ سر منڈا کر خانۂ کعبہ میں داخل ہو گئے ہیں قریش کو جیسے ہی آپ کے آنے کی اطلاع ہوئی وہ مسلح ہو کر نکلے اور آپ کو خانۂ کعبہ جانے سے روکا آپؐ نے فرمایا: "میں جنگ کے ارادے سے نہیں نکلا بلکہ میں نے خانۂ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا ہے۔" آپؐ کے اور قریش کے درمیان کچھ گفتگو ہوئی اس کے بعد قریش نے آپؐ سے مطالبہ کیا کہ آپ کو نہ ستائیں گے اور آپ کو مکہ آنے سے نہ روکیں گے رسول کا کوئی صحابی قریش

---

(۱) حدیبیہ "حسینیہ" کے وزن پر ہے اس کی دوسری یاء پر فتحہ پڑھا جاتا ہے اور کبھی تشدید کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے یہ ایک بستی کا نام ہے جس کا نام، وہاں موجود ایک کنویں کی بنا پر پڑا یہ اس مسجد شجرہ کے پاس ہے جس کے پاس رسولؐ نے "بیعت شجرہ" نامی بیعت اپنے اصحاب سے لی یہاں سے مکہ کا فاصلہ ایک دن کی مسافت کے برابر ہے۔

اپنے لشکر کو لے کر واپس چلے جائیں ہاں اگلے سال قریش مکہ کو تین دن کے لئے خالی کر دیں گے اور آپؐ سواری و اسلحے کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے قریش نے رسولؐ کے لئے تین سال کا صلح نامہ بھی لکھا کہ وہ رسولؐ کے کسی صحابی کے کسی فرد کو نہ ستائے گا۔ چنانچہ یہ صلح اسلام کی ایک بہت بڑی فتح تھی۔



اور کہا گیا ہے کہ: اسی موقع پر سورۂ فتح نازل ہوا یعنی:

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا...﴾ "اے رسولؐ ہم نے حقیقۃً تم کو کھلم کھلا فتح عطا کی۔"

اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرکین سماجی طور پر مسلمانوں سے گھل مل گئے تھے لہٰذا انھوں نے مسلمانوں کی باتیں سنیں اور ان کے دلوں میں اسلام کی روح سرایت کرگئی۔ مسلمان بغیر کسی روک ٹوک کے اسلام کی دعوت کا اعلان اور شعائر اسلامی کا پرچار کرنے لگا اس طرح بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے اور اس سے عظیم فتح بھلا کوئی اور کیا ہو سکتی تھی؟

دوسرے سال نبیؐ نے عمرہ کیا:

نبیؐ ایک سال بعد تشریف لائے قریش نے مکہ خالی کر دیا نبیؐ سواری کے اسلحے کے ساتھ ایک ناقے پر سوار مکہ میں داخل ہوئے، حجر اسود کا بوسہ لیا اور اعمال حج بجالائے مکہ میں تین دن قیام فرمایا اور میمونہ بنت حارث ہلالیہ سے شادی بھی رچائی پھر مکہ سے نکل آئے ﴿وَصَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ

﴿الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ...﴾(۱)

جب قریش نے نبی کو سال حدیبیہ میں روکا تھا تو لوگ شک میں مبتلا ہو گئے تھے جب آپؐ اگلے سال مکہ میں داخل ہوئے تو شک برطرف ہو گیا۔

جو شخص بھی مکہ سے نبیؐ کے ہجرت کرنے اور عمرہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں آپؐ کے مکہ میں داخل ہونے پر غور کرے تو وہ بڑی قابل تعجب باتیں ملاحظہ کرے وہ ابتدائے امر (ہجرت کے مرحلہ) میں دیکھے گا کہ نبی کس طرح امید و بیم کی حالت میں نکل کھڑے ہوئے۔ آپؐ نے مکہ کو خیر باد کہنے کے لئے رات کے پہلے حصہ کو غنیمت سمجھا اور اپنے چچا زاد بھائی علیؑ کو اپنی جگہ سلا دیا تا کہ لوگوں کو آپ کے نکلنے کی خبر نہ ہو، اور آپؐ ان کے مکروفریب سے محفوظ بھی رہیں۔

اور دوسرے مرحلے میں سات سال بعد دیکھے گا کہ کس طرح نبیؐ اور آپ کے ساتھ مسلمان اسلحہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے جبکہ اہل مکہ وہاں سے نکل چکے تھے تا کہ ایسا ناخوشگوار حادثہ پیش نہ آئے جو اسلحہ کے نیام سے باہر آنے کا سبب ہو آپؐ کے گرد مسلمان سکون و اطمینان کے ساتھ بغیر کسی رکاوٹ کے طواف کر رہے تھے۔ خدا کے امر سے کوئی تعجب نہیں کیونکہ خدا اپنے گروہ اور اولیاء کی

---

(۱) یہ سورۂ فتح کی آیت نمبر ۲۷: ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ آمِنِيْنَ...﴾ یعنی بے شک خدا نے اپنے رسول کو سچا مطابق واقع خواب دکھایا تھا کہ تم لوگ انشاءاللہ مسجد الحرام میں بہت امن و اطمینان سے داخل ہو گے۔

مدد کرتا ہے اور حجت تمام کرنے اور ڈرانے کے بعد اپنے دشمنوں کو رسوا کرتا ہے۔

یاد رہے کہ خدا کا گروہ ہی کامیاب ہے اور خدا کے دشمن ہی گھاٹے میں ہیں خدا کا کلمہ بلند ہے اور اس کے دشمنوں کا کلمہ پست ہے۔



ہاں ہمارے امین "نبی" اس آرزو تک محنت، کوشش، زحمت اور پریشانی کے بعد ہی پہونچے ہیں اور حق کی حجت اگرچہ بلند ہے اور اس کا راستہ واضح ہے لیکن اس کے لئے ہدایت کرنے والے رہنماؤں اور دعوت دینے والے مجاہدین کی ضرورت ہے اگر حق خود قائم ہو سکتا ہوتا تو نبیؐ اس کو اپنے حال پہ چھوڑ دیتے اور راہ دعوت حق میں خود کو پریشان نہ کرتے اور مصیبت و پریشانی تحمل نہ کرتے یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا: "کسی نبی کو اتنا نہیں ستایا گیا جتنا مجھ کو ستایا گیا۔"

## جنگ خیبر:

جزیرہ نمائے عرب میں یہودی طاقتور تھے اور تعداد میں زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ سازوسامان کے لحاظ سے بھی مضبوط تھے۔ چنانچہ وہ اپنی طاقتوں کے ذریعہ مسلسل مضبوط و متحد ہو رہے تھے ان کے پاس کھیتی، کھجور کے درخت اور مویشی بھی تھے یہ ان کی چالاکی اور تدبیر تھی کہ انھوں نے جس سرزمین کو بھی وطن بنایا تھا وہاں قلعے بھی بنا لئے تھے تاکہ حملوں سے محفوظ رہیں اور حملے کے وقت ان میں پناہ لے سکیں۔ عرب کے دوسرے قبیلے اس لحاظ سے ان جیسے نہیں تھے اور بھلا عرب وغیرہ کو سود مند خطرات کو دفع کرنے کے ایسے

وسائل کہاں حاصل تھے جن کو یہودی اپنی ذہانت اور مہارت کے ذریعہ تیار کرتے تھے۔

خیبر ناقابل تسخیر قلعوں میں سے ایک تھا اس کے ساتھ ساتھ اس میں بیس ہزار لڑاکو تھے جو ایک عظیم تعداد تھی خصوصاً جبکہ ان جنگجوؤں کو ان قلعوں کی پناہ حاصل تھی اور وہ اس عظیم ساز و سامان سے لیس تھے۔

ان لڑاکوؤں کے لئے یہودیوں کی سازشیں، چالبازیاں اور مکاریاں بہت بڑی سپر تھیں جب (رسول کی جنگی) صورت حال کا خاتمہ بنی نضیر اور بنی قریظہ کی رسوائی پر ہوا اور ان کا شیرازہ بکھر گیا تو اس کا بھی خیبر کے قلعوں پر کوئی اثر نہ ہوا اسی سے ان قلعوں میں رہنے والی جماعت کی طاقت اور آمادگی کا پتہ چلتا ہے۔

اس جماعت کے لئے ضروری تھا کہ نبیؐ سے صلح کے وسائل فراہم کرے کیونکہ مضبوط جائے پناہ نہ ہونے کی صورت میں اس کا ایک بازو قلم ہو چکا تھا چونکہ آپؐ نے یہودیوں کو نقصان پہونچایا تھا اور وہ متحد، متعصب اور کینہ رکھنے والے لوگ تھے اس لئے جزیرۂ نمائے عرب میں آپؐ ان سے محفوظ نہیں تھے بلکہ ان کی سازشوں سے عرب کے دوسرے قبائل بھی محفوظ نہیں تھے اور کیا احزاب وقبائل کی اذیت و آثار کو یہودیوں کے علاوہ کسی اور نے خطرہ میں ڈالا تھا؟

بہر حال حضرت رسول اکرم خیبر کے یہودیوں سے جنگ کرنے کے

لئے آمادہ ہوئے تاکہ اس سخت اور بڑے پتھر کو ہٹادیں جو اسلام کے پھیلنے اور ترقی کرنے کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کیے تھا، جبکہ جزیرہ نمائے عرب میں ان یہودیوں کی ایک نمایاں شان تھی اور ایسے تاک میں بیٹھے ہوئے شیروں کے مانند تھے جو اچانک حملہ کرنے کے لئے فرصت کے منتظر رہتے ہیں، کیا نبی کا نفس سکون میں رہ سکتا تھا؟ جبکہ سازش اور مکاری ان کا تیز ہتھیار تھیں۔



خیبر کے قلعے مدینہ اور شام کے درمیان مدینہ سے آٹھ منزل کی دوری پر واقع تھے نبیؐ نے اپنے لشکر کے ذریعہ ان پر اچانک چڑھائی کی قبل اس کے کہ انہیں کوئی خبر ملتی اور انہیں ہوش اس وقت آیا جب آپؐ نے اور مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کرلیا تو وہ اپنے قلعوں میں اس یقین کے ساتھ پناہ گزیں ہوگئے کہ ان میں اپنے دفاع کی طاقت ہے نبیؐ نے ان کا پچیس دن سے زیادہ محاصرہ جاری رکھا لیکن نہ وہ تسلیم ہوئے نہ جھکے نہ انھوں نے صلح کی اور نہ مسلمان ہوئے۔

ان کے سات قلعے تھے جن میں سب سے زیادہ مضبوط قلعۂ قموص تھا جس میں یہودیوں کا پہلوان مرحب رہتا تھا یہودی اپنے قلعوں سے مقابلے کے لئے نکلتے تھے پھر ان قلعوں کی پناہ میں واپس چلے جاتے تھے۔

رسولؐ کا پرچم مولائے کائنات کے ہاتھوں میں تھا اور آپؑ اس جنگ کے ہیرو تھے۔ اور کون سی جنگ ایسی ہے جس کے ہیرو اور مرکزی کردار کے مالک مولائے کائنات نہ تھے؟ آپؑ آشوب چشم میں مبتلا ہوگئے جس کی بنا پر

جنگ (چند دن) میں شریک نہ ہو سکے تو نبیؐ نے ابو بکر کو بلا کر پرچم دیا تا کہ اس کے ذریعہ قلعوں پر حملہ کریں جب ابو بکر قلعوں کے قریب پہونچے اور ان کی مضبوطی، ان کے چاروں طرف خندق نیز قلعوں میں موجود افراد کی شجاعت کا مشاہدہ کیا تو مسلمانوں کو رسوا کر کے گھبراتے ہوئے واپس آگئے دوسرے دن پرچم نبیؐ نے ان کے ساتھی عمر ابن خطاب کو دیا انھوں نے بھی وہی کیا جو ان کے ساتھی ابو بکر نے کیا تھا جب نبیؐ نے مسلمانوں کی گھبراہٹ اور اس شکست کا مشاہدہ فرمایا جس سے وہ ان دو دونوں میں دوچار ہوئے تھے تو آپؐ نے فرمایا: ''میں کل علم ایک ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں خدا کامیابی دے گا، وہ خدا و رسول کو دوست رکھتا ہوگا، خدا و رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہوں گے اور بڑھ بڑھ کے حملہ کرنے والا ہوگا۔'' چنانچہ لوگ رات بھر اسی سلسلہ میں گفتگو کرتے رہے ان کو نہیں معلوم تھا کہ ''اس شخص'' سے کون مراد ہے؟ اس کام کا اہل مولائے کائناتؑ کے علاوہ کوئی نہ تھا جبکہ آپؑ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔

جیسے ہی صبح ہوئی لوگ رسولؐ خدا کے پاس پہونچے تا کہ دیکھیں کہ وہ شخص کون ہے درحالیکہ ہر شخص یہ امید لگائے تھا کہ اسکو عَلَم مل جائے چنانچہ جب وہ اپنی گردنوں کو بڑھائے ہوئے اور نبیؐ کے عمل کے انتظار میں اپنی نگاہوں کو آپ کی طرف مرکوز کئے ہوئے اکٹھا ہوئے تو رسولؐ اچانک علیؑ کو طلب کرنے لگے جو کہ آشوب چشم میں مبتلا تھے جب مولا علی علیہ السلام تشریف لائے تو رسول اکرمؐ اپنے لعابِ دہن کو آپؑ کی آنکھوں میں لگایا تا کہ وہ اس طرح اچھی ہو جائیں

گویا وہ کبھی پر آشوب نہ ہوئی تھیں پھر آپ نے ان کو علم دے کر حکم دیا کہ اس کو لے کر اس قوم یہود کے پاس جائیں ان کو اسلام کی دعوت دیں اور ان کو اس حق خدا کی خبر دیں جو ان پر واجب ہے اگر وہ انکار کریں تو ڈٹ کر انکا مقابلہ کریں۔

چنانچہ مولائے کائناتؑ علَم کو لے چلے اور اس قوم کے درمیان پہونچے اور حکم نبی کی تعمیل کے مطابق انہیں اسلام کو دعوت دی لیکن اس قوم کی جانب سے دعوت کا کوئی جواب نہ آیا بلکہ آپ سے مقابلہ کے لئے مرحب اس حالت میں نکلا کہ اس کو اپنی شجاعت اور اپنی پشت پر موجود طاقت وقوت پر بڑا غرور تھا وہ لوہے میں غرق تھا رجز پڑھ رہا تھا ان بہادروں کی طرح جو لڑنے اور اپنے جیسوں کا سامنا کرنے سے نہیں ڈرتے مگر اس کا مقابلہ اس بہادر سے ہوا جو اس سے زیادہ طاقتور اور مقابلہ کی چوٹ پر زیادہ صبر کرنے والا تھا چنانچہ اس کے اور مولائے کائناتؑ کے درمیان دو ہاتھ رد و بدل ہوئے پس مولائے کائناتؑ نے اس پر ایسا وار کیا جس سے وہ پتھر کٹ گیا جو اس کے سر پر تھا جس کو اس نے خود کے بدلے رکھا تھا اور پھر جلدی سے آپؑ نے اس کے سر پر دوسری تلوار جڑ دی۔

تو کیا تلوار اس کے بدن سے رک جاتی؟ اور انسان (جو ہڈی اور گوشت کا پتلہ ہے اس) کا بھلا پتھر کی سختی سے کیا مقابلہ؟

آپؑ کے بازو کا کیا کہنا اور آپؑ کی شمشیر کا کیا کہنا جس کا کوئی جواب نہیں ہے آپ کا بازو ایسا بازو تھا جس کو خدا نے اپنے دشمنوں کی جماعت

کومتفرق کرنے کے لئے چنا تھا اور وہ ایسی تلوار تھی جس کو خدا نے اپنی وحدانیت ، اپنے حبیب اور نبی کی رسالت کے منکرین کے سروں کو شگافتہ کرنے کے لئے برہنہ کرر کھا تھا۔

جب یہودیوں نے اس صورت حال کا مشاہدہ کیا جس سے مرحب دوچار ہوا تھا، جبکہ انھوں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ کوئی مرحب کو قتل کر سکتا ہے تو انھوں نے بہت جلد سمجھ لیا کہ وہ اس عظیم پہلوان کا مقابلہ نہیں کر سکتے پس وہ قلعہ میں پناہ لینے کے لئے بھاگے اور جلدی سے قلعے کا دروازہ بند کرلیا جو کہ سخت قسم کے پتھر کا تھا، ان کے خیال میں وہ دروازہ ایک بہت بڑی سپر تھا مگر مولائے کائناتؑ اس کے قریب ہوئے ،اس کو پکڑ کر ہلایا اور اکھاڑ دیا پھر اس کو سپر بنا کر حملہ کیا اور ان سے قلعے کے اندر لڑنے لگے اور اس وقت تک نہ رکے جب تک خدا نے آپ کے ہاتھوں فتح نہ دیدی۔

وہ دروازہ ایک بڑا پتھر تھا جو چار ہاتھ لمبا دو ہاتھ چوڑا ایک ہاتھ اونچا تھا جب مسلمان خیبر سے پلٹے تو اس کو اٹھانا چاہا تو اس کو ستر آدمی اٹھا پائے ہاں اس دروازہ کو اس دستِ مبارک نے اٹھالیا تھا جسے طاقت خداوند تعالیٰ حاصل تھی جو اگر نہ ہوتا تو اسلام کا ستون قائم نہ ہوتا۔

خیبر کے قلعوں میں ''وطیح'' اور ''سُلالم'' باقی رہ گئے اس لئے نبیؐ نے ان کا محاصرہ جاری رکھا یہاں تک کہ جب ان کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو انھوں نے نبیؐ سے مطالبہ کیا کہ آپؐ ہمیں جلا وطن کردیں اور ہمارا خون بہانے

سے گریز کریں تو آپؑ نے ایسا ہی کیا۔

قیدیوں میں بنی نضیر کے سردار حُیَی بن اخطب کی لڑکی صفیہ" تھیں جو قلعہ قموص میں تھیں چنانچہ نبیؐ نے ان کو منتخب کر کے ان سے نکاح فرمایا یہ آپ کی نیک بیوی تھیں۔ چنانچہ یہ جنگ اسلام کی کھلی ہوئی فتح تھی اس میں مسلمانوں نے بہت زیادہ دولت اور سرخ طلا کو غنیمت میں حاصل کیا اور آپؐ سرسخت، مکار، غدار اور سازش کرنے والے دشمنوں سے نجات پا گئے بلکہ اس جنگ نے قریش اور عرب والوں کی سرکشی کے فتنے کو ہمیشہ کے لئے ٹال دیا کیونکہ قریش اور عرب والے یہ سمجھ رہے تھے کہ نبیؐ جنگ خیبر میں کامیاب نہ ہوں گے کیونکہ ان کو خیبر کے یہودیوں کی ثابت قدمی اور غیرت و بہادری پر بڑا ناز تھا اور قلعوں کی مضبوطی اس علاقے کا دفاع کرنے کے سلسلہ میں بڑی مشہور تھی۔ جس نے ان کی جنگی مہارت و تدبیر، شجاعت جنگی فنون پر کثرت مشق کو اور زیادہ بڑھا دیا تھا جہاں یہ خصوصیات مجتمع ہوں وہاں بھلا معمولی طاقت کیسے غالب آسکتی ہے؟ ان کو یہ یاد نہ رہا تھا کہ خدا اپنے دین کی بلندی، اپنے نور کی تکمیل اور اپنے ذکر کی حفاظت چاہتا ہے اور بھلا انسان خدا پر کیسے غالب آسکتا ہے جبکہ خدا ہر چیز پر قادر ہے؟

### جعفرؓ طیار کی تشریف آوری:

فتح خیبر کے دن جعفرؓ بن ابیطالبؑ سرزمین حبشہ سے تشریف لے آئے نبیؐ نے ان کا استقبال کیا اور ان کی پیشانی کا بوسہ لیا پھر فرمایا خدا کی قسم

مجھ کو سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں کس چیز کی بنا پر زیادہ خوش ہوں فتح خیبر کی بنا پر یا جعفرؓ کی آمد کی بنا پر'' اس بات پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیئے کہ نبیؐ نے جعفرؓ کی آمد کی بنا پر اپنی خوشی کو فتح خیبر پر اپنی خوشی کے برابر کیوں قرار دیا؟



اس لئے کہ فتح خیبر ان فتوحات میں سے ہے جن کی بنا پر اسلام کی عظمت میں اضافہ ہوا مگر جعفرؓ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے راہ خدا میں جہاد کیا اور راہ خدا میں مشکلات اور وطن سے دوری کو برداشت کیا اگر جعفرؓ نہ ہوتے تو حبشہ ہجرت کرنے والے مسلمان اتنی طویل مدت تک نہیں رہ سکتے تھے کیونکہ آپ ہی ان کے سرپرست، دینی تعلیمات کے سلسلہ میں مرجع اور ان کے اور دین اسلام کے مدافع تھے گویا ان میں دینی اور عصری قیادتیں جمع تھیں آپؓ ان افراد میں سے تھے جو رسول خداؐ سے مشابہ تھے۔

فدک:

جب فدک کے یہودیوں کو خیبر کی تباہی، قلعہ ''وطیح'' و ''سلالم'' میں بسنے والوں کا معافی تلافی کے ذریعہ خود کو نجات دینے، شہر کو چھوڑنے اور ان کے مطالبہ کے بعد نبیؐ کے ان کو جلاوطن کر دینے کی خبر ملی تو ان کے ہوش اڑ گئے اور اُن کو یقین ہو گیا کہ رسولؐ ضرور ان سے جنگ کریں گے لہٰذا انھوں نے آپؐ کے پاس اپنے آدمی بھیج کر مطالبہ کیا کہ ان کے ساتھ ''وطیح'' و ''سلالم'' کے یہودیوں جیسا سلوک کیا جائے یعنی ان کو نبیؐ جلاوطن کر دیں اور ان کا خون بہانے سے گریز کریں تو وہ اپنے اموال چھوڑ دیں گے چنانچہ نبیؐ نے ان کی

درخواست منظور فرمائی اور وہ "فدک" سے چلے گئے، نبیؐ نے اس پر قبضہ کرلیا لہٰذا فدک خالص آپ ہی کا تھا کیونکہ اس کے لئے کچھ دوڑ دھوپ تو کی نہیں گئی نہ گھوڑوں سے اور نہ اونٹوں سے لیکن خیبر مسلمانوں کے لئے مال غنیمت تھا کیونکہ اس کے لئے گھوڑوں اور اونٹوں کے ذریعہ دوڑ دھوپ کی گئی تھی۔ یہ ایسا امر ہے جس پر سیرت، تاریخ اور علم متفق ہیں۔

یہ ان فتوحات میں سے ہے جو اسلام کو نصیب ہوئیں اور ان کے ذریعہ اسلام نے بغیر مشقت اور پریشانی کے اپنے کچھ مکار دشمنوں سے نجات پائی۔

چونکہ فدک نبیؐ کے لئے مخصوص تھا اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۲۶ نازل ہوئی: (وَآتِ ذَالْقُرْبیٰ حَقَّهُ...) "قرابت دار کو اس کا حق دیدو" اس لئے آپؐ نے وہ پورا باغ فدک اپنی بیٹی فاطمہؑ کو ان کی مادر گرامی جناب خدیجہؑ کے ساتھ مقابلہ بمثل کے عنوان سے ہبہ فرمادیا کیونکہ جناب خدیجہؑ نے اپنا سب کچھ راہ اسلام میں لٹا دیا تھا۔

آپ یہ نہ پوچھیں کہ لوگوں نے کیسے فدک پر قبضہ کیا اور کس طرح اس کو جناب سیدہؑ سے غصب کرلیا جبکہ فدک کے فتح ہونے سے لے کر وفات نبیؐ تک تین سال کی آمدنی آپؑ استعمال کرچکی تھیں؟ اور اس تسلط اور غصب کے سلسلہ میں ان کے پاس کون سا عذر تھا؟

اگر یہ ثابت نہ ہو کہ فدک نبیؐ نے جناب سیدہ کو دیا تھا تو معاملہ اس سے آگے نہیں بڑھے گا کہ فدک آپ کی میراث ہو (کیونکہ یہ مسلّم ہے کہ وہ نبیؐ

کا ذاتی حق تھا) جناب سیدہؑ نے اس کو واپس لینے کی کتنی کوشش کی لیکن آپ کی فریاد نہ کوئی سننے والا ملا اور نہ آپ کے حق کو واپس دلانے کے سلسلہ میں کوئی یار و مددگار ملا یہاں تک کہ آپ کی اس حال میں وفات ہوگئی کہ آپ کا حق چھن چکا تھا آپؑ مظلومہ اور غضبناک تھیں جبکہ رسولؐ فرما چکے تھے: "مَنْ اَغْضَبَ فَاطِمَةَ فَقَدْ أَغْضَبَنِي وَمَنْ أَغْضَبَنِي فَقَدْ أَغْضَبَ اللّٰهَ" "جس نے فاطمہؑ کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا اور جس نے مجھے غضبناک کیا اس نے خدا کو غضبناک کیا" نیز آپؐ ہی نے فرمایا تھا: "مَنْ آذَى فَاطِمَةَ فَقَدْ آذَانِي وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللّٰهَ" "جس نے فاطمہؑ کو ستایا اس نے مجھ کو ستایا اور جس نے مجھ کو ستایا اس نے خدا کو ستایا"



## فتح مکہ:

سال حدیبیہ میں نبیؐ اور قریش کے درمیان سمجھوتہ ہو چکا تھا اور اس سلسلہ میں انھوں نے ایک نوشتہ تیار کیا تھا جس میں شرائط صلح درج تھے یہ صلحنامہ تین سال تک قابل اجراء تھا اس کی رو سے خزاعہ رسولؐ خدا کے معاہدہ میں داخل ہو گئے تھے جو پہلے بنی ہاشم کے حلیف تھے اور کنانہ قریش کے معاہدہ میں داخل ہو گئے تھے کنانہ اور خزاعہ میں پرانی رنجش تھی پھر دونوں میں جنگ ہوئی جس میں قریش نے اسلحہ کے ذریعہ کنانہ کی خزاعہ کے خلاف مدد کی یعنی قریش سے کچھ لوگ مخفی طور پر نکلے اور کنانہ کے ساتھ مل کر لڑے چنانچہ یہ قریش کی جانب سے معاہدہ کی خلاف ورزی تھی پس خزاعہ نبیؐ سے مدد کے خواستگار تھے۔

قریش کو خطرہ ہوا کہ کہیں یہ بات رسولؐ خدا کو معلوم نہ ہو جائے جس کی بنا پر آپ کے نزدیک صلحنامہ کالعدم ہو جائے لہٰذا وہ ڈر رہے تھے اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ رسولؐ خزاعہ کی مدد کریں گے تو ان کے ساتھ کس قسم کا سلوک کریں گے جبکہ اس وقت نبیؐ طاقتور اور ایک عظیم شان وشوکت کے مالک تھے لہٰذا ابوسفیان عہدنامہ کو یقینی بنانے کے لئے آیا جب کہ مدت اس کی ابھی باقی تھی تو نبیؐ نے اس سے فرمایا:

''اے ابوسفیان کیا تم نے غداری کی ہے؟'' تو اس نے کہا نہیں! اس پر سیاسی جواب دیتے ہوئے آپؐ نے فرمایا: ''تو ہم بھی اسی عہد پر قائم ہیں جس پر تھے۔'' تو ابوسفیان اس جواب سے خوش ہوگیا، اس میں نہ سختی اور کسی تشدد کا اشارہ تھا اور نہ ہی کسی غداری کی صراحت تھی کیونکہ اگر آپؐ عہدنامہ کو یقینی بناتے تو یہ ان سے لڑنے اور آپؐ کے حلیف خزاعہ کی نصرت سے مانع ہوتا اور اگر آپؐ ان کی غداری کی صراحت فرماتے تو اندیشہ تھا کہ قریش جنگی تیاری کر لیتے۔

چنانچہ حضرت رسولؐ خدا مکہ کو فتح اور جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہوئے اور لوگوں کو آمادگی کا حکم دے دیا اور دعا فرمائی: ''خدایا قریش کے جاسوسوں کو اپنی گرفت میں لے لے تاکہ ہم اچانک ان کے شہر پر حملہ کرسکیں۔''

بہرحال نبیؐ ۲۰ رمضان ۸ھ کو نکلے اور ویسا ہی ہوا جیسا آپؐ نے چاہا تھا اور دعا فرمائی تھی چنانچہ آپ مکہ سے قریب ہوئے جبکہ اس کے باشندوں کو پتہ تک نہ تھا ان کو اسی وقت احساس ہوا جب مسلمانوں کی مشعلوں

سے انھوں نے فضائے مکہ کو روشن اور جلتے ہوئے دیکھا۔

مسلمان دس ہزار تھے اور یہ ایسی تعداد تھی جو قریش کے ہوش اڑانے کے لئے کافی تھی جس کا مقابلہ مشقت آور ہی نہیں تھا بلکہ ناممکن تھا اس لئے کہ اگر وہ اپنے تمام دفاعی ذرائع استعمال کرتے تب بھی وہ اپنے منہ کی کھاتے اور بھلا اس وقت کیوں شکست و مشقت کا سبب نہ ہوتی جبکہ ان کو پہلے سے اس کا کچھ علم نہ تھا؟

چنانچہ ابوسفیان معلومات حاصل کرنے نکلا سپاہ اسلام کی شان و شوکت دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، وہ پلک جھپکنا بھول گیا۔ اچانک مسلمانوں کے خیموں کے پاس جب پہونچ گیا تو مسلمانوں کے ہاتھوں دھر لیا گیا اور قریب تھا کہ مسلمان اس کی گردن اڑادیں مگر جناب عباسؓ بن عبدالمطلبؑ نے اس کو بچالیا اور وہ رسولؐ خدا کے خچر پر سوار کر کے آپ کے پاس ایسے راستوں سے لائے کہ جہاں سے وہ اور زیادہ لشکر اسلام کی طاقت اور شکوہ و عظمت کو دیکھ سکے۔ جب وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچا تو اس کو اپنا اور اپنے افراد کا خون محفوظ کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہ آیا اور اس کو اپنی عافیت اسی میں نظر آئی کہ کلمۂ شہادتین پڑھے۔

چنانچہ ابوسفیان اس حال میں مکہ لوٹا کہ نبیؐ سے جنگ کرنے سے قریش کو ڈرا رہا تھا اور جنگ پر اصرار کی صورت میں تباہی کی خبر دے رہا تھا نیز ان افراد کو امان کی خوشخبری دے رہا تھا جو اس کے یعنی ابوسفیان کے گھر میں یا

مسجد الحرام (خانۂ کعبہ) میں داخل ہو جائیں یا ہتھیار ڈال دیں یا اپنے اوپر اپنا دروازہ بند کرلیں۔

جناب عباس نے ابوسفیان کو وادی کی گذرگاہ کے پاس کھڑا کیا جبکہ لشکر خدا اس کے سامنے سے رسالہ در رسالہ گذر رہا تھا اور وہ ایک ایک کے بارے میں پوچھ رہا تھا تو یہ منظر اس کے مرعوب ہونے، ڈرنے اور اس کے نبیؐ کو اور لشکرِ نبیؐ کو محترم سمجھنے کا سبب تھا۔

حضرت رسولؐ خدا اپنے ناقہ پر تشریف لائے یہاں تک وادیؐ ''ذی طویٰ'' میں لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے جب کہ خدا کے سامنے تواضع و انکساری کی وجہ سے آپ اس قدر جھکے ہوئے تھے کہ آپ کی ریش مبارک زین کے اگلے حصہ کو چھو رہی تھی۔

پھر مسلمان چاروں طرف سے مکہ میں داخل ہوئے اور انہیں کسی قابلِ ذکر مقاومت کا سامنا نہیں کرنا پڑا جبکہ اہل مکہ کو اس میں شک نہیں تھا کہ جنایات جو انھوں نے اب تک رسولؐ کے ساتھ روا رکھتی ہیں ضرور ان کی بنا پر ان سے مؤاخذہ کیا جائیگا بزرگانِ قریش اس خیال سے کعبہ میں داخل ہوئے کہ وہ تلوار سے نہیں بچ پائیں گے اگرچہ خانۂ کعبہ کی پناہ میں چلے جائیں۔

بہرحال نبیؐ تشریف لائے اور درِ کعبہ کے پاس کھڑے ہو گئے اور اس کی دونوں ایستادہ لکڑیوں کو پکڑ کر خطبہ ارشاد فرمایا جس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ، اَنْجَزَ وَعْدَہٗ، وَنَصَرَ عَبْدَہٗ، وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ

وَحْدَهُ..." یعنی معبود حقیقی کے سوا کوئی خدا نہیں وہ یکتا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اپنے بندے (محمد مصطفیٰ) کی مدد کی، اور اکیلے (کفار کے) جمگھٹوں کو پسپا کیا اور...

پھر فرمایا: "تم خانہ کعبہ کے کتنے برے ہمسائے ہو تم نے جھٹلایا آوارہ کیا نکالا ستایا اس پر بھی اکتفا نہ کی یہاں تک کہ میرے شہر (مدینہ) میں مجھ سے لڑنے آئے جاؤ تم آزاد شدہ ہو" تو وہ لوگ چلے گئے لگتا تھا کہ قبروں سے اٹھائے گئے ہوں اسی لئے اہلِ مکہ کو "طلقاء" (آزاد شدہ) کہا گیا۔

آپ لوگوں (شاگردوں) کو اس جنگ میں اسلام کی عزت و آبرو اور اس کے کلمہ کی بلندی کیسی نظر آتی ہے؟ اس فتح و کامیابی نے قریش سے زندگی چھین لی، سانس لینا بھول گئے اور اس کے مجتمع سے دھڑے ٹوٹ گئے، بازو قلم ہو گئے اور شہر پر رسولؐ کی دھاک بیٹھ گئی کیونکہ اسلام کے پھیلنے کے ذریعہ ترقی کرنے میں قریش ہی رکاوٹ کھڑی کئے تھے۔

بھلا اس فتح سے بڑھ کر، بلند کون سی فتح ہو سکتی ہے کیونکہ اس کے ذریعہ اسلام کی شان و شوکت اور بلندی آشکار ہو گئی بلکہ واقعیت یہ ہے کہ اس میں، صاحب اقتدار ہونے کے باوجود نبی کی عطوفت، شفقت اور بخشش آشکار ہو گئی یہی ایسی چیز تھی جس کی بنا پر اسلام کو نقصان پہونچانے والوں کو، اسلام میں داخل ہونے کی صورت میں اپنی غلطیوں کے معاف ہو جانے کی امید پیدا ہو چلی تھی اسلام کو نقصان پہونچانے والے بہت تھے۔ آپ مشاہدہ کریں گے

کہ اس فتح اور معافی کے بعد لوگ اسلام میں جوق در جوق داخل ہونے کے لئے ٹوٹ پڑے۔

بت شکنی:

گھروں کے علاوہ کعبہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت تھے جن کو توڑنے کی خود رسولؐ نے ذمہ داری لی آپؐ کے دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی جس کے ذریعہ آپؐ ان کو اشارہ کررہے تھے اور بت تڑاتڑ گر کر ٹوٹ رہے تھے۔

لیکن جو بڑے بت بلندی پر نصب تھے ان کو علیؑ نے نبیؐ کے دوشِ مبارک پر چڑھ کر توڑا پس خانۂ کعبہ میں کوئی بت نہ بچا پھر آپؐ نے لوگوں کو اپنے گھروں میں موجود بتوں کو توڑنے کا حکم دیا اور بھلا کون اس حکم کو بجالانے کے لئے آگے نہ بڑھتا جبکہ خدا کی شمشیریں اہلِ کفروشرک کے سروں پر کھنچی ہوئی تھیں؟

مکہ والوں سے بیعت:

پھر نبیؐ نے مکہ کے مردوں اور عورتوں سے بیعت لی اور سب نے اسلام کا اظہار کیا۔

جب نماز کا وقت آیا تو سب آئے اور آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھی یہ ان کا نماز میں حاضر ہونا ان لوگوں کے درمیان فرق ظاہر کرنے کے لئے تھا جنہوں نے اسلام کا اظہار کیا تھا اور جو شرک پر باقی رہے تھے اور وہ شوق یا خوف کی بنا پر کیوں اسلام کا اظہار نہ کرتے جبکہ نبیؐ، شرک پر اصرار کرنے والے

کی گردن اڑا دینے کا حکم دے چکے تھے؟ آپؐ اس ظاہری اظہار اسلام پر، تالیف قلوب، خطرہ کو دفع کرنے نیز اس امید کی بنا پر راضی ہوئے کہ ان کے قلوب اسلام کی طرف مائل ہو جائیں اور پھر وہ رفتہ رفتہ حقیقی معنوں میں مسلمان



ہو جائیں۔

## قریش فتح سے پہلے اور فتح کے بعد:

انسان اس وقت ہکا بکا رہ جاتا ہے جب فتح سے پہلے اور فتح کے بعد وہ قریش کی حالت پر غور کرتا ہے جن کو خود بینی اور تعصب نے نبی کا مقابلہ کرنے اور ستانے پر آمادہ کیا بلکہ اسی بنا پر آپ کو اور بنی ہاشم کو تین سال شعب ابیطالبؒ میں رہنا پڑا یہاں تک کہ ان کا ظلم اپنی انتہا کو پہونچ گیا اور شعب ابیطالبؒ سے نکلنے کے بعد آپ کا انھوں نے بائیکاٹ کر دیا آخر کار آپ کو اپنا خون محفوظ رکھنے اور اپنی دعوت کو عام کرنے کی خاطر ان سے دور ہونے پر مجبور ہونا پڑا تو انھوں نے آپ کے دار الہجرۃ تک اس حال میں آپ کا تعاقب کیا کہ آپؐ سے دشمنی پر متفق تھے اور عرب والوں کو آپ کے خلاف جنگ کرنے کے لئے اکسار ہے تھے یہ فتح سے قبل کا عالم تھا۔

لیکن فتح کے بعد آپ ان کو خاضع پائیں گے اس حال میں ان پر رعب اور ذلت چھا گئی ہو یہاں تک کہ وہ نبی کی معافی طلب کرنے اور آپ کو ہر حال میں خوشحال کرنے کی راہ تلاش کرنے لگے یہ اس حال میں تھا کہ فتح مکہ کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا۔

## نبیؐ اور قریش:

جو شخص قریش کے برتاؤ کو نبیؐ کے ساتھ اور نبیؐ کے برتاؤ کو قریش کے ساتھ دیکھتا ہے وہ اس بات کو جان لیتا ہے کہ آپؐ کے اور ان کے درمیان کتنا فرق تھا؟ اور کس طرح ہر برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے؟ آپؐ نے ہجرت کے قبل اور بعد ان کی ہر طرح کی ایذا رسانی اور سنگدلی کا سامنا کیا لیکن انھوں نے فتح کے وقت آپ کی جانب سے مکمل عطوفت اور رحمت کاملہ کا برتاؤ پایا آپؐ ان کے درمیان تھے اور وہ جتنا ستا سکتے تھے ستاتے تھے اور جتنا آپ کا مذاق اڑا سکتے تھے اڑاتے تھے حالت یہ ہوگئی کہ انھوں نے آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو شعب ابیطالبؑ میں قید کر دیا اور ان کا کھانا پینا اس مقصد کے تحت بند کر دیا کہ وہ نبی کو ان کے حوالے کر دیں قریش جو کہہ رہے تھے اس کا اختیار بھی رکھتے تھے اور اگر وہ نبی کو ان کے حوالے نہ کریں تو اس وقت تک ان کا محاصرہ جاری رکھیں کہ وہ سب مر جائیں۔

انھوں نے اس سنگدلی پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ ابوطالبؑ کی وفات کے بعد آپؐ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا جس سے آپ ہجرت کر کے ہی بچ پائے۔

پھر جب آپؐ نے ہجرت کی تو انھوں نے آپ کے دارالہجرۃ تک، آپ کے قتل اور نورِ خدا کو بجھانے کے ارادے سے تعاقب کیا عرب والوں کو آپؐ سے جنگ کے لئے ابھارا، قبیلوں کو آپؐ سے لڑنے کے لئے واردِ میداں کر دیا اور کمینوں اور اوباش لوگوں کو آپؐ کی توہین اور آپ کی کرامت و بزرگی

کو کم کرنے پر آمادہ کیا اور وہ آپ کی ہجو کرنے لگے۔

البتہ ان پر غلبہ پانے اور ان کے شہر اور نفوس پر حاکم ہونے کے بعد جو آپ کا ان کے ساتھ سلوک تھا اس کے لطف و کرم اور عطوفت و مہر و محبت کی توصیف نہیں کی جا سکتی ان کو اس بدسلوکی کا علم تھا جو انھوں نے آپؐ کے ساتھ کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ آپؐ ان کی بدسلوکی کا بدلہ ضرور لیں گے اور کم از کم ان کو قتل کر کے ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کریں گے اور چوپایوں و اموال کو اپنے قبضہ میں کر لیں گے۔

لیکن آپ کی کرامت طبع، جلالت قدر اور آپ کا معاف کرنے کا شوق بلکہ عالمین کے لئے آپ کا رحمت ہونا نیز جہالت، افعال قبیحہ، ظلم اور سنگدلی سے انسان کو نجات دلانا یہ سب آپ کو اس بات سے روک رہے تھے کہ آپ بھی ان کے ساتھ ویسا برتاؤ نہ کریں جیسا انھوں نے کیا تھا اور بھلا آپؐ ان کے ساتھ ان جیسا سلوک کیسے کر سکتے تھے جب کہ آپ خلق عظیم کے مالک تھے؟ اگر آپ بھی انہیں جیسا برتاؤ کرتے تو آپؐ میں اور ان میں کیا فرق رہ جاتا؟

## مکہ کے مضافاتی افراد کو اسلام کی دعوت

نبیؐ اسی سے جنگ کرتے تھے جو جنگ کرنے پر اصرار کرے اور کسی قوم پر اسی وقت چڑھائی کرتے تھے جب ان پر حجت تمام کر دیں اور ان کو ڈرا دیں چنانچہ جب آپؐ نے مکہ فتح کیا تو اپنے قاصد مکہ کے مضافاتی قبیلوں کے پاس بھیجے تا کہ آپؐ ان کو اسلام کی دعوت دے دیں اور ان پر حجت قائم

کردیں۔ چنانچہ جب بنی مدلج کی طرف جب آپؐ نے اپنا قاصد بھیجا تو اس نے صلح کا اظہار کیا اور مسلمان ہونے سے انکار کیا نبیؐ نے ان کی جانب کوئی تعرض نہیں کیا۔ بنی دیل نے پہلے تو انکار کر کے جنگ کا ارادہ کیا لیکن جب ان کا سردار مسلمان ہو گیا تو وہ بھی مسلمان ہو گئے بنی محارب بن فہر بھی مسلمان ہو گئے ان میں سے کچھ لوگ اظہار اسلام واطاعت کے لئے رسولؐ کی خدمت میں آئے چنانچہ یہ وفود اور دعوت کا عام ہونا ان قبائل میں اسلام کے پھیلنے کا، سبب اور اسلام کی شان کی بلندی کا زینہ ثابت ہوا۔

**خالد اور بنی جَذِیمہ:**

حضرت رسولؐ خدا انسان کے لئے رحمت، ہدایت اور بھلائی ہی لائے اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ آپؐ نے تمام اہلِ مکہ کو معاف فرما دیا اور ان کے ظاہری اسلام کو قبول فرما لیا جب کہ آپ جانتے ہیں کہ قریش کون تھے اور ان کا نبیؐ کے ساتھ کیسا برتاؤ تھا؟ آپؐ نے یہاں تک فرمایا: ''ہر خاندانی شرافت اور ہر خون میرے ان دو پیروں کے نیچے ہے'' نیز فرمایا: ''کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے'' ان کے علاوہ بھی آپؐ کے اور اقوال ہیں جو آپؐ کے افعال وکردار پر سونے پہ سہاگہ کی منزل میں ہیں تاکہ ان کو مسلمان نے تو اپنے اس مسلمان بھائی سے اپنا ہاتھ روک لے جو ابھی اسلام میں داخل ہوا ہے۔

قبیلوں میں پرچم اسلام لہرانے اور سینوں سے کینہ دور کرنے کے لئے

اس سے بڑی سیاست کیا ہو سکتی تھی تا کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کرنے والے بھائی اور آپس میں نیز جان، اموال و آبرو کی حفاظت کے سلسلہ میں رحم دل ہو جائیں۔ یہ ایسے اہم امور ہیں جن کو اسلام لایا ہے۔

خالد بن ولید نے بھی دوسروں کی طرح نبیؐ کے افعال کو دیکھا اور اقوال کو سنا لیکن اس کے دل کو قبیلۂ بنی جذیمہ سے دل کی بھڑاس نکالے بغیر نہیں قرار آسکا جنھوں نے اس کے چچا فاکہ بن مغیرہ مخزومی کو جاہلیت میں قتل کر دیا تھا اگر چہ بنی جذیمہ اس وقت مسلمان تھے۔

رسولؐ خدا نے خالد کو بنی جذیمہ کے پاس بھیجا تا کہ ان کے حال سے آشنائی حاصل کرے جس طرح کہ دیگر افراد کو دیگر قبائل کے پاس بھیجا تھا یہ لوگ ''یلملم'' علاقہ میں تھے نبی کو ان کے مسلمان ہونے کی اطلاع نہیں تھی جب کہ اسلام ان کے گھروں میں نفوذ کر چکا تھا جب انھوں نے خالد کو اپنی طرف ایک لشکر کی قیادت کرتے ہوئے دیکھا تو اسلحہ کے ساتھ اس کا استقبال کیا کیونکہ ان کو اندیشہ تھا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں قتل ہونے والے چچا فاکہ کے بدلے ان پر دھوکے سے حملہ نہ کر دے۔

خالد نے ان سے دریافت کیا تم کون ہو؟ انھوں نے کہا ہم مسلمان ہیں ہم نے نماز پڑھی ہے محمد مصطفےٰؐ کی تصدیق کی ہے اپنے علاقے میں مسجدیں بنائی ہیں ان میں اذانیں دی ہیں تو خالد نے ان کو امان دی اور ان سے ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ کیا۔ جذیمہ میں سے ایک شخص نے کہا: یہ خالد ہے ہتھیار

ڈالنے کے بعد خدا کی قسم اسارت ہے اور اسارت کے بعد گردنیں اڑادی جائیں گی بنی جذیمہ نے اس شخص سے کہا کیا تم چاہتے ہو کہ ہمارا خون بہے؟ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں جنگ ختم ہو گئی ہے اور لوگ امان پا چکے ہیں۔ بنی جذیمہ مسلسل اس سے یہی کہتے رہے یہاں تک کہ اس نے اپنے ہتھیار ڈال دیئے۔

کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیئے اگر وہ لوگ خالد کی امان کے فریب میں آگئے کیونکہ زمانہ بدل چکا تھا اسلام اپنی تعلیمات لے کر آچکا تھا، بنائے شرک ٹوٹ چکی تھی قوانینِ شرک منہدم ہو چکے تھے اور اس بات پر بھی تعجب نہیں ہونا چاہیئے کہ اس شخص نے ہتھیار ڈالنے سے کیوں انکار کیا کیونکہ قرائن سے اس کو علم ہو چکا تھا کہ خالد فریب دینا چاہتا ہے۔

ہتھیار ڈالنے کے بعد جب خالد ان لوگوں کی طرف سے مطمئن ہوا تو ان کو زنجیروں میں جکڑے جانے کا حکم دیا پھر ان کو شمشیر کی دھار پر رکھا لہٰذا کچھ قتل ہوئے اور کچھ قید ہوئے۔

جب رسول کو اس حادثہ کا علم ہوا تو آپؐ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی: ”خدایا میں تیرے حضور میں خالد بن ولید کے عمل سے بیزار ہوں۔“ یہ آپؐ نے دو یا تین مرتبہ کہا۔

پھر آپؐ نے ان کے پاس مولائے کائنات کو بھیجا جنہوں نے مقتولین کے اولیاء کو دیہ ادا کیا اور ان کے تلف شدہ اموال کا بدلہ بھی دیا یہاں تک کہ اس برتن کا بھی عوض ادا کیا جس سے کتا پانی پیتا ہے آپؐ نے ان کے ہر

خون اور ہر مال کا دیہ ادا فرمادیا آپؑ کے پاس کچھ مال بچا تو آپؑ نے فرمایا:

''میں اپنے پاس بچے ہوئے مال کو رسولؐ خدا کی جانب سے اس تلف شدہ مال کے عوض تم کو دے رہا ہوں جو معلوم نہیں ہے۔'' پھر آپؑ نے رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی کارکردگی کی خبر دی تو آپؐ نے فرمایا: ''تم نے ٹھیک کیا اور اچھا کیا۔''

## جنگِ حنین:

قبیلۂ ہوازن اور قبیلۂ ثقیف از روئے جہل و تکبر شرک پر باقی رہنے کے لئے مصر تھے اور کلمۂ شہادتین پڑھ کر رسولؐ کی ہدایت و اصلاح کے پرچم تلے نہیں آنا چاہتے تھے تو کیا ان کو دعوت اسلام دئے جانے اور ان کے اس کو قبول نہ کرنے کی صورت میں اس کے علاوہ کوئی صورت ہو سکتی ہے کہ رسولؐ ان سے ان کے شہر میں جنگ کریں؟ خصوصاً اس کے بعد کہ انھوں نے آپؐ سے اور مسلمانوں سے اچانک لڑنے کی ٹھان لی قبل اس کے کہ آپؐ ان سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہوتے مکہ ہی میں تھے کہ آپؐ کو ان کی آمادگی اور ان کے آپؐ سے لڑنے کے لئے چل پڑنے کی خبر ہوئی چنانچہ آپؐ ان کی جانب روانہ ہوئے اس سے پہلے کہ وہ حرم میں آپؐ پر اچانک حملہ کریں۔ آپؐ کا لشکر بارہ ہزار افراد پر مشتمل تھا دس ہزار کا لشکر تو وہی تھا جس کے ذریعہ آپؐ نے مکہ فتح کیا تھا اور دو ہزار مکہ کے لوگ تھے جنہوں نے خوشی خوشی یا خوف کی بنا پر اظہارِ اسلام کیا تھا جب لشکر چلا تو اس کی کثیر تعداد، اونچے پیمانے پر ساز و سامان اور آمادگی

دیکھکر کچھ مسلمانوں کو غرور ہوا اور کہنے لگے: ''آج ہم ہارنے والے نہیں''
رسولؐ خدا کو یہ بات ناپسند معلوم ہوئی۔ قبیلۂ ہوازن کا سردار مالک بن عوف
نصری تھا ان کے ساتھ مشہور شاعر دُرَید بن صِمّہ تھا جو کہ اس وقت ضعیف ہو چکا
تھا وہ اس کو اپنے ساتھ لائے تھے تا کہ اس کے نظریہ سے برکت حاصل کریں
دُرید صاحب نظر و تدبیر تھا مالک قبیلۂ ہوازن کے ساتھ ان کے اموال اور
ناموس کو بھی لے آیا تھا درید نے کہا: ''میں اونٹ، گدھے، گائے اور بکری کی
آوازیں نیز بچوں کے رونے کی آواز سن رہا ہوں تو لوگوں نے اس سے کہا کہ
مالک بن عوف لوگوں کے ساتھ ان کے اموال، عورتوں اور بچوں کو بھی لے آیا
ہے تا کہ ہر شخص اپنے نفس، مال اور ناموس کی خاطر لڑے دُرید نے کہا: ''گوسفند
چرانے والے کو بھلا جنگ سے کیا سروکار؟ پھر کہا کہ مالک کو بلاؤ مالک آیا تو
درید نے اس سے کہا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ اس نے جواب دیا میں لوگوں کے ساتھ
ان کے اموال، عورتوں اور بچوں کو اس لئے لے آیا تا کہ ہر شخص اپنے ناموس اور
مال و اولاد کو اپنے پیچھے سمجھ کر غیرت کی بنا پر لڑے درید نے کہا اے مالک کیا
ہارے ہوئے کو کوئی چیز واپس لا سکتی ہے؟ جنگ اگر تمہارے حق میں ہوئی تو تم کو
ہر شخص کی تلوار اور نیزہ سے ہی فائدہ ہوگا اور اگر تم کو ہار ہوئی تو تم اپنی ناموس اور
مال کے سلسلے میں رسوا ہو جاؤ گے۔ مالک نے کہا: تم سٹھیا گئے ہو اور تمہارا علم بھی
سٹھیا گیا ہے پس مالک نے اس کی بات نہ مانی لوگوں نے مالک کی پیروی کی۔
الغرض جب مسلمان اپنی کثرت پر غرور کرتے ہوئے چلے جا رہے

لیکن جو ہوازن وادیٔ حنین کی گھاٹیوں اور درختوں کی جڑوں کے نیچے گھات لگائے بیٹھے تھے تو وہ مسلمانوں پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے یہ صبح کا وقت تھا اور ابھی روشنی نہ پھیلی تھی مسلمانوں نے جب ان کی کثرت اور اچانک حملہ کرنے کا مشاہدہ کیا تو انھوں نے راہ فرار اختیار کی اور بری طرح پسپا ہو گئے۔ رسولؐ خدا کے ساتھ نو یا دس افراد کے علاوہ کوئی نہ بچا جو سب کے سب بروایتے ایمن بن ام ایمن کے علاوہ ہاشمی تھے ان میں سب سے پیش پیش مولائے کائناتؑ اور عباسؓ بن عبدالمطلب تھے۔ رسولؐ نے اپنے چچا عباسؓ کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو پکاریں عباسؓ کی آواز بہت زوردار تھی تو بڑی محنت و مشقت کے بعد لوگ پلٹے اور جنگ ہوئی ہوازن کا پرچم ابوجرول کے ہاتھوں میں تھا جس کو لے کر وہ آگے بڑھا مولائے کائناتؑ نے اس کو قتل کر دیا اس کے قتل ہوتے ہی مشرکین پسپا ہو گئے اور مسلمانوں نے اپنی تلواریں چلانا شروع کر دیں مولائے کائناتؑ پیش پیش تھے یہاں تک کہ چالیس اشخاص مارے گئے اس دن درید بن صمہ بھی مارا گیا خداوند عالم نے جنگ حنین کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

"لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا" (سورۂ توبہ آیت ۲۵،۲۶) یعنی (مسلمانو) خدا نے تمہاری بہتیرے مقامات پر (غیبی) امداد کی اور (خاص کر) جنگ حنین کے دن

جب تمہیں اپنی کثرت (تعداد) نے مغرور کر دیا تھا پھر وہ کثرت تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکی اور (تم ایسے گھبرائے کہ) زمین باوجود اس وسعت کے تم پر تنگ ہوگئی تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے تب خدا نے اپنے رسولؐ پر اور مومنین پر اپنی (طرف سے) تسکین نازل فرمائی اور (رسولؐ کی خاطر سے) فرشتوں کے لشکر بھیجے جنہیں تم دیکھتے بھی نہیں تھے۔

## قریش کے کینے وحسد ظاہر ہو گئے

قریش کے تمام کینے وحسد اس وقت سر چڑھ کر بولنے لگے کہ جب مسلمانوں کو شکست ہوئی ابوسفیان نے کہا: ان کی شکست کا سلسلہ اس وقت تک ختم نہ ہوگا جب تک یہ سمندر (بحر احمر) میں نہ گر جائیں گے جبکہ بہت سے تیر وہ اپنے ترکش میں لئے ہوئے تھا۔ کلدہ بن حنبل نے چیخ کر کہا: آج جادوئی ٹوٹکہ باطل ہو گیا۔ بنی عبد دار کے بھائی شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ نے کہا: آج میں اپنے خون کا بدلہ لوں گا آج میں محمد کو قتل کروں گا لیکن ان کے تمام فخر و مباہات اور کینہ وحسد کی آگ اس وقت سرد پڑ گئی اور وہ اپنا سا منھ لے کر رہ گئے جب ہوازن پسپا ہو گئے۔

## قیدی، کنیزیں اور غنائم:

مسلمانوں نے ان میں تباہی مچا دی، ان کے بہت سے لوگ مارے گئے، عورتوں بچوں کے علاوہ ایک ہزار شہسوار قید ہوئے۔ لباس اور گوسفندوں کے علاوہ غنائم میں بارہ ہزار ناقے ہاتھ لگے تھے۔ چنانچہ رسولؐ نے دلوں کو مائل

کرنے کی غرض سے قریش کے بارہ اشخاص منجملہ ابوسفیان، معاویہ، سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ وغیرہ کو سو سو اونٹ عطا کئے اور باقی کو ان کی حیثیت کے مطابق عطا کئے۔ انصار کو اس ترجیح سے رسول کا مقصد یاد نہ رہا لہٰذا ان کو آپ کا یہ عمل ناگوار گذرا تو نبیؐ نے ان کے سامنے ایک خطبہ ارشاد فرما کر ان پر احتجاج فرمایا جس کی بنا پر انھوں نے عذر خواہی کی اور آپؐ کی خوشنودی اور اپنے لئے استغفار کے خواستگار ہوئے۔ چنانچہ رسولؐ نے ان کے لئے استغفار فرمایا اور



ان کو معاف کر دیا۔

**مشرکین پسپائی کے بعد:**

پسپائی کے بعد مشرکین دو حصوں میں تقسیم ہو گئے کچھ ہوازن کے علاقے ''اوطاس'' نامی وادی میں چلے گئے یہ قبیلۂ ہوازن اور ان کے تابعین تھے۔ دوسرے فرقہ نے طائف کی راہ لی یہ ثقیف اور ان کے تابعین تھے رسولؐ نے پہلے گروہ کے تعاقب میں ابو عامر اشعری کی قیادت میں ایک جماعت کو روانہ فرمایا جب جنگ ہوئی تو ابو عامر مارے گئے پھر پرچم کو ان کے چچا زاد بھائی ابو موسیٰ اشعری نے لیا اور جنگ کی چنانچہ ان کو فتح ہوئی دوسرے گروہ کے تعاقب میں آپؐ نے ابوسفیان کی قیادت میں ایک جماعت کو روانہ فرمایا جب اس کا ثقیف سے سامنا ہوا تو انھوں نے اس کو مات دی تو وہ پسپا ہو کر واپس آ گیا۔ پھر نبیؐ بنفس نفیس طائف روانہ ہوئے اور دس دن سے زیادہ اس کا محاصرہ کیا طائف قلعہ بند شہر تھا اس کے دروازے بند ہوتے تھے اور کھلتے تھے

خدا نے اس کو فتح کرنے کی آپ کو اجازت نہیں دی جس کی بنا پر آپؐ وہاں سے کوچ فرما گئے۔

## مولائے کائناتؑ، خثعم اور بت:

جب رسول گرامیؐ طائف کا محاصرہ کئے ہوئے تھے آپؐ نے مولائے کائناتؑ کو کچھ سواروں کے ساتھ روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ جس بت کو بھی دیکھیں توڑ ڈالیں آپؑ نکلے تو خثعم کے بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوئی ان میں سے ایک شخص مقابلے کے لئے آیا۔ مولائے کائناتؑ نے اس کو قتل کر دیا وہ جماعت پسپا ہوگئی مولائے کائناتؑ آگے بڑھے یہاں تک کہ بتوں کو توڑا اور رسولؐ خدا کے پاس واپس تشریف لے آئے رسولؐ ابھی طائف کے محاصرہ کو جاری رکھے ہوئے تھے جب حضورؐ نے آپ کو دیکھا تکبیر کہی۔

## نبیؐ کا علیؑ سے سرگوشی کرنا:

مولائے کائناتؑ جب بت شکنی سے واپس تشریف لائے تو رسولؐ خدا نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور خلوت میں لے جا کر کافی دیر تک سرگوشی کی یہ امر بعض صحابہ پر گراں گذرا یہاں تک کہ ایک صحابی نے آکر آپؐ سے کہا: کیا آپ ہم کو چھوڑ کر ان سے سرگوشی اور خلوت فرماتے ہیں؟ نبیؐ نے فرمایا: ''میں نے اس سے سرگوشی نہیں کی بلکہ خدا نے سرگوشی کی'' تو اس شخص نے یہ کہتے ہوئے منہ پھیر لیا کہ یہ اسی طرح ہے جس طرح آپؐ نے ہم سے حدیبیہ کے دن کہا تھا: ''لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ آمِنِيْنَ...'' یعنی ''تم لوگ انشاء

اللہ مسجد الحرام میں امن واطمینان سے داخل ہو گے۔ (سورۂ فتح آیت ۲۷)

لیکن ہم اس میں داخل نہ ہوئے اور روک دیئے گئے تو نبیؐ نے اس سے بہ آواز بلند فرمایا:''میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم اسی سال مسجد الحرام میں داخل ہو گے۔



یہ ان اعتراضات کا ایک نمونہ تھا جن کا سامنا رسولؐ کو اصحاب کی جانب سے کرنا پڑتا تھا نیز حلم اور وسعت قلب کا ایک نمونہ تھا جس کے ساتھ آپؐ ان سے پیش آتے تھے اگر دشمنوں کے ساتھ اولیائے خدا کا وہ حلم وتحمل نہ ہوتا تو اسلام اپنی راہ میں نہ چلتا یہ رسالتمآب کی جانب سے حلم کا اعلیٰ نمونہ ہے جبکہ آپؐ اس دن صاحب قدرت تھے تو آپ کی روش پر وہ امت کیوں نہ چلے گی جس نے آپ کی دعوت کی تصدیق کی ہے اور آپ کے اقوال و اعمال کی اقتدا کرنا چاہتی ہے؟

### قیدیوں کی آزادی:

حضرت رسولؐ خدا طائف کے محاصرہ سے واپس پلٹے یہاں تک کہ جعرانہ[۱] پہونچے یہاں قیدی اور غنائم لائے گئے تھے آپ کی خدمت میں ان ہوازن کا ایک وفد آیا جو کہ مسلمان ہو چکے تھے انھوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ ان پر احسان فرمائیں تو آپؐ نے ان کو عورتوں، فرزندوں اور اموال کے درمیان مخیّر کیا انھوں نے عورتوں اور بچوں کو اختیار کیا (کہ ان کو واپس دیدیا جائے) تو آپ کی خاطر بات مان گئے لہٰذا آپؐ نے عورتوں اور بچوں کو لوٹا دیا۔

---

[۱] مکہ اور طائف کے درمیان ایک منزل جو مکہ سے زیادہ قریب ہے۔

فرمایا انھوں نے ناموس کو اموال پر برتری دی آپؐ نے اپنے اور بنی ہاشم کے حقوق سے صرف نظر کی اور مسلمانوں سے بھی صرف نظر کرنے کا مطالبہ کیا وہ بھی

حلیمہؒ سعدیہ کی بیٹی آپؐ کی خدمت میں

رسولؐ کے پاس آنے والے وفود میں حلیمہؒ سعدیہ کی بیٹی بھی تھیں جو آپ کی رضاعی بہن تھیں آپؐ نے اپنی ردا بچھادی اور ان کو احتراما اس پر بٹھایا پھر آپؐ ان سے خیریت دریافت کرنے لگے انھوں نے ہوازن کے سردار مالک بن عوف نصری کی آزادی کی درخواست کی جو منظور ہوئی مالک اپنے وفد کے ساتھ نبیؐ کے پاس آیا پس آپؐ نے اس کے ناموس، اموال اور سو اونٹوں کو اسے واپس دے دیا۔

نبی رحمت کی اس عطوفت و نیکی کے نتیجے میں مالک نے اسلام قبول کیا اس کے خالص اسلام کو دیکھ کر ادارۂ امور اور سیاست عام سے واقف نبیؐ نے مالک کا مزید احترام کیا یعنی ان کو ان کی قوم اور مکہ کے مضافات میں تازہ مسلمان ہونے والے قبائل ثُمالہ، سَلِمہ اور فہم کا گورنر بنا دیا۔ مالک ان کی مدد سے ثقیف سے جنگ کرنے لگے چنانچہ آپ نے ان کے ہر آنے جانے والے سوار پر حملہ کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کی زندگی حرام کر دی۔

اسلام پر جنگ کا اثر

جنگِ حنین سے اگر چہ نبی کو اپنے اصحاب کی جانب سے بہت زیادہ صدمے اٹھانے پڑے منجملہ ان کے کبھی ان کا آپ کو چھوڑ کر بھاگ جانا، کبھی

تقسیم غنائم میں عدم مساوات کا الزام دے کر آپؐ سے ناراض ہونا اور کبھی آپ کے فقط علیؑ سے سرگوشی کرنے پر تنقید کرنا کہ نبیؐ نے فرمایا: "جتنا مجھ کو ستایا گیا اتنا کبھی کسی نبی کو نہیں ستایا گیا" کیونکہ آپ کو فقط اپنے دشمنوں کی طرف سے ہی اذیت کا سامنا نہیں کرنا پڑا بلکہ آپ کو زیادہ اذیت اپنے انصار اور اصحاب سے ہوئی لیکن اس جنگ کی بدولت اسلام تیزی سے جنگجو قبائل میں پھیلا اس کا سب سے اعلیٰ نمونہ مالک، ان کی قوم اور قبائل کا مسلمان ہونا اور ان کا اسلام کی مدد کرنا ہے اگر یہ حادثہ نہ ہوتا تو اسلام اس عظیم فاصلہ کو طے نہ کرتا اور ان قبائل میں برق رفتاری کے ساتھ ہر نشیب و فراز سے گذرتا ہوا سرایت نہ کرتا۔

غنائم میں قریش کو برتری دینے کی نبویؐ سیاست:

فتح کے دن قریش مجبوراً داخلِ اسلام ہو گئے اور ان کو مجبوراً اپنے دوستوں اور رسولؐ کے دشمنوں ہوازن وثقیف سے لڑنا پڑا۔ اگر وہ اپنے برتری دیئے جانے کے ذریعہ رسول کی محبت وعطوفت کو محسوس نہ کرتے تو ان کے نفوس پاک نہ ہوتے اور ان کے سینوں میں پوشیدہ کینے اور رنجشیں ختم نہ ہوتیں۔ اگرچہ بعض کے سینے ابھی بھی پاک نہ ہو سکے تھے۔

آپ جانتے ہیں کہ انسان اس وقت کس طرح ذلیل ہوتا ہے جب اس سے اس کے ہی گھر میں جنگ کی جائے اور اس پر اس کا دشمن غالب آجائے اور دشمن پر اچانک حملہ کرنے کے انتظار میں کس طرح شدت غیظ کی بنا پر دانتوں کو پیتا ہے اور وہ غصہ سے کیسے آگ بگولہ ہو جاتا ہے؟ اور اس میں شدت اس

وقت آجاتی ہے جب دشمن اس کو ذلت کے ساتھ اپنے دشمن سے لڑنے کے لئے لے جائے؟ یہ ذلت پہلی رسوائی سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ نبی لوگوں کو خالص کرنا، ان کی رنجشیں دور کرنا اور ان کو خوشی خوشی داخل اسلام کرنا چاہتے ہیں اگر آپؐ ان کو وہ کثیر انعامات نہ دیں تو ان کی باطنی کثافتوں کو دور نہیں کر سکتے ان کو برائی اور اچانک حملہ کرنے کی غرض سے گھات میں بیٹھنے سے نہیں روک سکتے آپؐ ان کی درپیش ذلت کو کیسے دور کر سکتے ہیں؟ ان کو یہ کیسے سمجھا سکتے ہیں کہ



آپؐ نبیؐ رحمت ہیں، آزادی دلانے والے اور اصلاح کرنے والے ہیں نہ فاتح بادشاہ ہیں اور نہ انتقام لینے پر مقتدر ہیں جب تک ان کی عظیم انعامات کے ذریعہ مدد، نصرت نہ فرمائیں؟ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ دولت عقول ونفوس کے ساتھ کیا کرتی ہے، کس طرح سے انسان کا دلوں میں مقام بناتی ہے اور ان کے اعمال واقوال کو محبوب کر دیتی ہے؟ عطوفت کے بعد بھی ان میں سے کچھ کے کینے یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتے رہے تو اگر آپؐ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے اور وہ آپؐ کے ان احسانات والطاف کا مشاہدہ نہ کرتے تو کیا حال ہوتا؟

## ہوازن کے قیدی واپس کرنے میں آپ کی سیاست

ہوازن کے قبائل کو اسلام سے محبت صرف اس وجہ سے ہوئی کہ انھوں نے مقتدر ہونے کے باوجود نبیؐ کے معاف کرنے اور ان کے ناموس اور بچوں کو واپس کرنے کا مشاہدہ کیا اگر آپؐ چاہتے تو ان کو اپنی ملکیت میں بھی لے سکتے تھے عرب والے اچھے برتاؤ کو سمجھتے تھے اور ان عظیم احسانات کی قدر

کرتے تھے خصوصاً انھوں نے ہی جنگ کی ابتدا کی تھی اور آپؐ پر جنگ کے ذریعہ زیادتی کی تھی لہٰذا انھوں نے اس احسان و نیکی سے پہچان لیا کہ آپؐ نبی برحق ہیں نہ یہ کہ آپ کا مقصد غلبہ حاصل کرنا ہے لہٰذا ان کے پاس آپؐ کی دعوت کی تصدیق اور اس کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا انھوں نے صرف اسلام لانے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ انھوں نے روز اول سے اسلام کے سب سے مشکل فریضہ جہاد کو انجام دینے کے لئے قیام کیا چنانچہ وہ آپؐ کے مددگار اور آپؐ کے ان دشمنوں کے دشمن بن گئے جو کچھ دنوں پہلے ان کے اپنے دوست، مددگار اور مشیر تھے اور ان دونوں میں وجہ اشتراک یہ تھی کہ وہ اسلام سے جنگ کرنے کے سلسلہ میں ایک پرچم تلے جمع تھے تو آپ ملاحظہ فرمائیں کہ اسلام کا قلوب میں کیا اثر ہوتا ہے؟ کس طرح اس کی وجہ سے دو دوست دشمن اور دو دشمن دوست ہو جاتے ہیں؟

## ثقیف کا قاصد روانہ کرنا

ثقیف ان قبائل میں سے تھے جنہوں نے ہجرت سے پہلے رسول کو ستایا تھا پھر ہجرت کے بعد جب اسلام کی شوکت میں اضافہ ہوا اور اس کے لشکر کی تعداد بڑھ گئی تو آپؐ کے خلاف جنگ پر اتر آئے پھر شرک اور اپنے بت لات کی پرستش پر اڑے رہے حالانکہ وہ محاصرہ اور تنگی کو دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ جب ان کے مویشی چرنے نکلتے تھے تو وہ ان کو محفوظ نہیں سمجھتے تھے کیونکہ ان کے ہمسایہ قبائل میں سے کوئی بھی کھلم کھلا شرک کرنے والا نہیں رہ گیا تھا یہاں تک

کہ قریش جو اسلام کا سخت دشمن اور اس سے جنگ کرنے والا ایک محکم دھڑا تھا وہ بھی ٹوٹ گیا۔ مکہ و طائف میں پوجا جانے والا ایک بہت بڑا آدمی عروہ بن مسعود اس وقت یمن میں تھا جب انھوں نے نبیؐ سے جنگ کرنے پر اتفاق کیا تو یہ شخص اس کے بعد نبیؐ کی خدمت میں آیا اور اپنے اسلام کو آشکار کیا اور اسلام کی دعوت اور نماز کی ندا دیتے ہوئے ان کی طرف پلٹ گیا انھوں نے اس پر تیر برسائے اور اس کا کام تمام کر دیا اس واقعہ سے ان مسلمانوں کے غم و غصہ میں شدت آگئی جو ان کے اطراف آباد تھے چنانچہ انھوں نے ان کا ناطقہ بند اور



زندگی حرام کر دی یہاں تک کہ وہ رمضان المبارک ۹ھ پر تنگی میں اضافہ کیا وہ نبیؐ کی خدمت میں نمائندہ بھیجنے اور اسلام کا اظہار کرنے پر مجبور ہوئے نبیؐ نے ان کا اسلام قبول کیا پس قوم ثقیف کے اسلام لانے کے بعد حجاز میں شرک کا اعلان کرنے والا کوئی نہ بچا۔

اسی سے آپ، اسلام کی ارتقا اور اس کے کلمۂ حق کو بلند ہونے کے سلسلہ میں جنگ کی تاثیر کو سمجھ سکتے ہیں اگر روز فتح اور ہوازن و ثقیف سے جنگ کے دوران آپ کا ان کے ساتھ حسن سلوک کا جرأتمندانہ اقدام نہ ہوتا تو اسلام اس تیزی سے ان علاقوں میں نہ پھیلتا بلکہ ان میں ست رفتاری کے ساتھ اپنے بہترین اور عظیم نظام کے باوجود گھٹنیوں کھسکتا، ایسا نظام جو انسان کی آبرو، خون اور دولت کی حفاظت کا ضامن ہے اور اس وقت آبرو، خون اور دولت خطرے میں تھے قریش اور ان کے حلیف حالانکہ اسلام کے فوائد کو سمجھتے

تھے اور دیکھ رہے تھے پھر بھی اسلام سے برسر پیکار تھے اور اس سے عداوت کو جاری رکھے ہوئے تھے اور بھلا عناد رکھنے والے دانشمندوں اور انکار کرنے والے عارفوں کو تلوار اور نیزے کے بغیر کسی دلیل و برہان کے ذریعہ کیسے قانع



کیا جا سکتا ہے؟

## جنگ موتہ

اسلام کی ارتقا کی راہ میں جنگ موتہ (۱) دشوارترین گھاٹی تھی کیونکہ اس میں مجاہدین اسلام اپنے بہترین لڑاکا، صابر اور صاحب نظر سرداروں۔ ''جعفر بن ابیطالبؑ، زید بن حارثہ، اور عبداللہ بن رواحہ'' کی شہادت کے بعد شکست کھا کر بھاگ آئے تھے اس حادثہ نے ہم کو، اہل شرک سے جنگ کرنے کے سلسلہ میں مسلمانوں کی پائیداری کے بارے میں درس دیا ہے اس لئے کہ تمام مسلمانوں نے ان راہ فرار اختیار کرنے والوں کی ملامت اور ان کو جھڑکنے پر اتفاق کیا ہے یہاں تک کہ ان کے چہروں پر اپنے ہاتھ سے خاک ڈالی۔ بھاگنے والے منھ دکھانے کے قابل نہ تھے وہ شرم کی وجہ سے اپنے گھروں میں جا چھپے تھے حد یہ ہے کہ جب کسی کے یہاں دق الباب کیا جاتا تھا تو ملامت کے اندیشے کے سبب وہ دروازہ نہیں کھولتا تھا۔

لوگوں نے خالد بن ولید کی لشکر کو لے کر بھاگ آنے کی وجہ سے اتنی

---

(۱) شام کی حدود میں بلقا کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے جو شام سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہے اس میں جناب جعفر (طیارؓ) جناب عبداللہ (بن رواحہ) اور جناب زید بن حارثہ کے مزارات ہیں۔

ملامت کی کہ اس کی مٹی پلید کردی کیونکہ کفار سے جنگ کرنے کے سلسلہ میں، ایمان کی طاقت کے ذریعہ پائیدار رہنا مسلمانوں کا معمول تھا نہ دولت، اسلحہ اور افراد کی کثرت کے ذریعہ۔ مسلمان، پائیداری کی صورت میں اہل موتہ کے خلاف جنگ کے سلسلہ میں دونیکیوں راہ خدا میں شہادت یا ظفر میں سے کسی ایک کے امیدوار تھے کیونکہ:

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ (۱) یعنی ایسا بہت ہوا ہے کہ خدا کے حکم سے چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آگئی ہے۔

اہل ایمان اور پائیدار مسلمان پسپائی میں بھلائی نہیں سمجھتے تھے اس سرزنش اور مذمت کے بعد کسی اور جنگ میں یہ بھاگنے والے کن نگاہوں سے دیکھے جاتے ہوں گے؟

ہم کیا جانیں شاید اہل موتہ کی فتح خدا کی مشیت نہیں تھی جس طرح کہ خدا نے احد اور بعض دوسری جنگوں میں مسلمانوں کو کامیابی نہیں دینا چاہی اگرچہ خدا نے نبیؐ سے کامیابی اور اسلام کے غالب رہنے کا وعدہ فرمایا ہے اور ہم کیا جانیں شاید یہ اس اندیشہ کے مدنظر رہا ہو کہ اگر مسلمان خود کو ہمیشہ کامیاب اور ہر جنگ میں فاتح ہوتے رہیں تو کہیں ان میں تکبر اور خود پسندی سرایت نہ کر جائے یا ایسے امور بھی شکست کا باعث ہو سکتے ہیں جن کا علم خدا کو زیادہ ہے۔

---

(۱) بقرہ آیت/۲۴۹

## جعفر طیارؑ کی شہادت پر نبیؐ کا گریہ

نبیؐ جعفر طیارؑ کی شہادت کے سلسلہ میں اتنے زیادہ غمگین ہوئے کہ اس کہ اس کے آثار آپؐ پر نمایاں ہو گئے جب آپؐ نے ان کی زوجہ اسماء بنت عمیس کو ان کی خبر شہادت سنائی اور ان کی آغوش میں موجود ان کے بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرا تو آپؐ نے گریہ فرمایا، آپ کی دونوں آنکھوں سے مسلسل اشک جاری تھے یہاں تک کہ آپ کی ریش مبارک تر ہو گئی اور یہ تعجب کی بات نہیں کہ نبیؐ اپنے چچازاد بھائی پر روئے کیونکہ جعفر طیارؑ کی ذات ہی ایسی تھی کہ اس میں بہت سی خصوصیات یکجا تھیں نبیؐ نے اسماء بنت عمیس کو آپ کی خبر شہادت سناتے ہوئے فرمایا تھا: ''بارالٰہا! جعفرؑ نے بہترین ثواب کی جانب قدم اٹھایا ہے لہٰذا تو ان کی ذریت میں وہی عطا فرما جو تو نے اپنے کسی بندے کو اس کی ذریت میں عطا فرمایا ہے۔'' پھر آپؐ نے فرمایا: ''اے اسماء! کیا میں تم کو خوشخبری نہ دوں؟ خدا نے جعفرؑ کو دو پر عطا فرمائے ہیں جن کے ذریعہ وہ جنت میں پرواز کرتے ہیں۔'' پھر آپؐ مسلمانوں کو ان کی خبر شہادت سنانے اور ان کو اس مرتبہ سے آگاہ کرنے کے لئے منبر پر تشریف لے گئے جس سے خدا نے جعفرؑ کو جنت میں نوازا ہے غم واندوہ میں ڈوبی اور رندھی ہوئی آواز میں آپؐ نے فرمایا:

''انسان کو اپنے بھائی اور چچازاد بھائی کے ذریعہ بزرگی اور ڈھارس ملتی ہے آگاہ ہو جاؤ (میرے چچازاد بھائی) جعفرؑ شہید ہو گئے، خدا نے ان کو دو پر عطا فرمائے ہیں جن کے ذریعہ وہ جنت میں پرواز کرتے ہیں۔''

جناب جعفر طیارؑ کے دونوں بازو جنگ موتہ میں اس وقت قلم ہو گئے تھے جب آپ علم کو پکڑے ہوئے تھے بازو قلم ہونے کے باوجود آپؑ عَلَم کو (سینے سے چپکائے) سنبھالے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے چنانچہ خدا نے آپ کے بازوؤں کے بدلے، اس کار عظیم اور عظیم الشان قربانی کے شکرانے میں دو پر عطا فرمائے۔ نبیؐ کے نزدیک جعفرؑ کے عظیم المرتبت ہونے کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ جب آپ اپنی بیٹی فاطمہؑ کے پاس تشریف لائے اور ان کو جعفرؑ پر آہ وزاری کرتے ہوئے پایا تو فرمایا: ''جعفر جیسی ہستیوں پر گریہ وزاری ہونی ہی چاہیئے۔''

نبی جعفر طیارؑ پر جو روئے اور رونے کا حکم دیا وہ رشتہ داری کی محبت کی بنا پر نہیں تھا کیونکہ آپ کے نہ جانے کتنے رشتہ دار شہید ہوئے یا انتقال کر گئے لیکن آپ ان پر اس حد تک غمگین نہیں ہوئے بلکہ وجہ یہ تھی کہ جعفرؑ نے راہِ خدا میں جہاد کیا تھا اور حبشہ ہجرت کے دوران اور واپسی کے بعد دین کی بڑی خدمت کی تھی، آپؑ خدا کی معرفت رکھتے تھے، صادق العمل اور مخلص تھے اسی لئے نبی کی اس تکریم کے مستحق قرار پائے اور آج تک دنیا میں آپ کا بہترین انداز میں ذکر خیر کیا جاتا ہے اور آخرت میں آپ کے درجات بلند ہیں یہی حال ہر اس شخص کا ہے جو خدا سے ڈرتا ہے اور علم و معرفت کے ساتھ فقط خدا کے لئے خالص عمل کرتا ہے کیونکہ خدا اور اس کے کسی بندے کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے: ''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ'' (۱) یعنی بے شک تم میں سے خدا کے

---

(۱) حجرات آیت ۱۳/

نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔اسلام اس بلند مقام و مرتبہ تک ان پاک بندوں کی عظیم الشان قربانیوں کے ذریعہ ہی پہونچا ہے جنہوں نے خداوند متعال اور نبی کریم کی معرفت کی وجہ سے ان کی دعوت پر لبیک اور اوامر کی بجا آوری میں تیزی دکھلائی اور جس کی وجہ سے ان کے نزدیک اسلام کے کلمہ کی بلندی اور اس کے امر کے غالب آنے کے لئے ،اپنی سب سے قیمتی شے کو قربان کرنا آسان ہوگیا۔



حضرت نبی اکرمؐ کے الٰہی اہداف وعزائم کو جامۂ عمل پہنانے ،راہ دین و اسلام میں قربانیوں کا اہتمام کرنے ،راہ حق و دین میں قربانی دینے ، جہاد کرنے والے افراد کی تکریم و تعظیم کرنے اور جناب جعفرؑ کا غم منانے ،رنجیدہ ہونے اور گریہ کرنے نے ہم کو عظیم درس دیا ہے۔

## جنگ ذات السلاسل (۱)

ایک اعرابی نے رسول کو خبر دی کہ آپؐ کے دشمن عرب مدینہ میں شب خون مارنا چاہتے ہیں اور وہ اس وقت ''وادیٔ رمل'' میں ہیں یہ سن کر آپؐ نے اپنے اصحاب کو تیار ہونے کے لئے حکم دیا چنانچہ سات سو کے قریب افراد اس امر کے لئے آمادہ ہوئے آپؐ نے مہاجرین میں سے ایک شخص کو ان کا سردار بنا کر

---

(۱) ایک قول کے مطابق سلاسل سرزمین جذام میں ایک چشمہ کا نام ہے جس کی وجہ سے اس جنگ کو ''ذات السلاسل'' کہا گیا ایک اور قول کے مطابق اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس جنگ کے قیدیوں کے شانے رسیوں سے بندھے ہوئے تھے گویا وہ زنجیروں میں مقید تھے۔

روانہ فرمایا یہ جماعت کچھ کئے بغیر واپس آگئی اس جماعت نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن انھوں نے انکار کیا۔رسول گرامیؐ نے بار دیگر اصحاب سے ان کامقابلہ کرنے کو کہا تو ایک اور جماعت روانگی کے لئے تیار ہوئی ان کا سردار ایک اور مہاجر شخص کو بنایا گیا لیکن یہ بھی پہلی جماعت کی طرح واپس آگئی تیسری بار مولائے کائناتؑ ایک جماعت کے ساتھ ان کامقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے آپ کے ہمراہ نبیؐ کا پرچم تھا جب آپ کی ان سے مڈبھیڑ ہوئی تو ان کو اسلام کی دعوت دی اور عذاب الٰہی سے ڈرایا جب وہ نہ مانے تو جنگ شروع ہوگئی جس کے نتیجے میں دشمنوں کی ایک جماعت قتل ہوئی ایک جماعت قید ہوئی ان کے اموال کو غنیمت کے طور پر لے کر آپؑ کامیابی کے ساتھ واپس ہوئے اس وقت جناب جبرئیلؑ سورۂ عادیات لے کر نازل ہوئے اور نبیؐ کو علیؑ کی آمد کی خبر دی تو نبیؐ اور مسلمان مولائے کائناتؑ کے استقبال کے لئے نکلے۔

اس دن نبیؐ نے مولائے کائناتؑ سے فرمایا: ''اے علیؑ اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ مسلمانوں کے کچھ لوگ تمہارے بارے میں وہ بات کہیں گے جو عیسائیوں نے عیسیٰؑ کے بارے میں کہی تھی تو میں تمہارے بارے میں ضرور یہ بات کہتا کہ تم جس گروہ کے پاس سے گذرتے وہ تمہارے قدموں کی خاک چاٹتا۔'' نیز آپؐ نے فرمایا: ''اے علیؑ! جس نے تم سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے خدا سے محبت کی اور جس نے خدا سے محبت کی خدا نے بھی اس سے محبت کی پس خدا کے لئے واجب ہے

کہ اپنے حبیب کو جنت میں جگہ دے اے علیؑ! جس نے تم سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے مجھ سے دشمنی کی اس نے خدا سے دشمنی کی اور جس نے خدا سے دشمنی کی خدا نے بھی اس سے دشمنی کی اور اس پر لعنت فرمائی اور خدا پر واجب ہے کہ اس کو قیامت کے دن عداوت کے مقام پر کھڑا کرے اور اس کے عذاب کے ٹالے جانے کی کوئی درخواست قبول نہ فرمائے۔



یہ نئی بات نہیں کہ جو مولائے کائناتؑ اس معرکہ میں کامیاب ہوئے جبکہ آپؑ تجربہ کار بہادر اور دانشمند سردار تھے اور کیا اسلام کی کوئی ایسی فتح ہے جس میں آپ کا کردار نہ تھا؟ اور یہ جائے تعجب نہیں کہ خدا نے آپ کی شان میں قرآن کی آیات نازل فرمائیں اور نبیؐ کے آپ کے سلسلے میں بہت سے ارشادات موجود ہیں آپؑ نے خود کو اطاعت الٰہی اور دین کو قائم کرنے کے لئے وقف کر رکھا تھا کیا اسلام آپ کی تلوار کے بغیر قائم ہوا اگر آپؑ کا بازو اور جہاد نہ ہوتا تو کیا اسلام کا نام ونشان ہوتا؟ اور اگر مردانِ دین ان جیسے افراد ہوتے جو اس معرکہ سے ناکام لوٹتے تو اسلام کی بنیاد قائم نہ ہوتی اور دائرہ وسیع نہ ہوتا۔ اور اس جنگ میں، خلوص کے ساتھ کام کرنے والوں اور مجاہدین راہ خدا کی تکریم وتقدیر ان آیات وکلمات کے ذریعہ آشکار ہوگئی جن کو خداوند دانا نے نازل فرمایا اور جو اس کے رسول کی زبانِ مبارک پر جاری ہوئے۔

## جنگ تبوک:(۱)

حضرت رسول اکرمؐ کو خبر ملی کہ روم والے آپؐ سے لڑنے کے لئے آمادۂ پیکار ہو رہے ہیں جبکہ انھوں نے جناب جعفر طیارؓ اور ان کے دو ساتھیوں (عبداللہؓ بن رواحہ اور زیدؓ حارثہ) کو شہید بھی کیا تھا لہٰذا نبی اکرمؐ نے، اس سے پہلے کہ وہ آپؐ پر اور شہر مدینہ پر اچانک حملہ کریں، ان سے لڑنے اور انہیں سبق سکھانے کے لئے حکم صادر فرما دیا لیکن لوگوں نے رغبت کا اظہار نہیں کیا جبکہ وقت تیزی کے ساتھ گذر رہا تھا چنانچہ ان کی مذمت میں قرآن کی کچھ آیتیں نازل ہوئیں اور نبیؐ نے بھی کھڑے ہو کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ان کو جہاد، اتحاد اور مالی امداد کرنے کی جانب رغبت دلائی۔ چنانچہ لوگ جمع ہوئے اور صاحب حیثیت افراد نے ناداروں کی امداد کی تو جنگ پر جانے والوں کی تعداد تیس ہزار ہوگئی، کچھ لوگ (گھروں میں) بیٹھے رہ گئے (اور جہاد میں نہ گئے) اور کچھ لوگوں نے بعد میں آنے کے بہانے گھروں میں بیٹھے رہ جانے کی اجازت مانگی جس کی بنا پر قرآن مجید نے ان کی مذمت کی: "فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

---

(۱) تبوک وادیٔ قریٰ اور شام کے درمیان ایک بستی ہے جہاں نبیؐ پہونچے اور قیام پذیر ہوئے اسی کی طرف اس جنگ کو منسوب کر دیا گیا۔

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ، قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ، لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ" [۱]

"(جنگ تبوک میں) رسولؐ خدا کے پیچھے رہ جانے والے اپنی جگہ بیٹھ رہنے (اور جہاد میں نہ جانے) سے خوش ہوئے اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کرنا ان کو مکروہ معلوم ہوا اور کہنے لگے (اس) گرمی میں (گھر سے) نہ نکلو (اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ جہنم کی آگ (جس میں تم جلو گے) اس سے کہیں زیادہ گرم ہے اگر وہ کچھ سمجھیں۔" اس جنگ میں جو کچھ رونما ہوا وہ



اس سورۂ (توبہ) میں موجود ہے۔ آپؐ کے پاس سات غریب و بے نوا افراد آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! ہمارے لئے سواری کا انتظام کر دیجئے کیونکہ ہمارے پاس ایسی سواری نہیں جس پر سوار ہو کر ہم جنگ کے لئے روانہ ہو سکیں آپؐ نے فرمایا:

"لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ" [۲] یعنی "میرے پاس (تو کوئی سواری) موجود نہیں کہ تم کو اس پر سوار کروں تو وہ لوگ (مجبوراً) روتے ہوئے واپس چلے گئے۔ خداوند جلیل نے ان کی مدح فرمائی کیونکہ خدا کو ان کے ارادوں کی پاکیزگی کا علم تھا۔ اپنی کوتاہی کے سبب جنگ پر نہ جانے والے کچھ لوگ نادم ہوئے اور نبیؐ سے توبہ کے خواستگار ہوئے خدا کو جب ان کی توبہ کی سچائی کا علم ہوا تو ان کی توبہ قبول فرمالی۔

---

[۱] سورۂ توبہ آیت/۸۱ [۲] سورۂ توبہ آیت/۹۲

جب نبیؐ نے اس بات کا مشاہدہ فرمایا کہ یہ جنگ بہت دوری پر لڑی جائے گی اور مدینہ کو منافقین اور بعض ان عربیوں سے خطرہ ہے جن کے دلوں میں ایمان کا ابھی گذر بھی نہیں ہوا تھا، تو آپ کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ یا آپؐ خود مدینہ میں رہیں یا علیؑ کو مدینہ میں چھوڑیں اور بھلا کیا دشمنوں کے طوفان کو روکنے اور اہل نفاق کی کجی کا مقابلہ کرنے کی آپؐ یا علیؑ کے علاوہ کسی میں طاقت تھی؟ چنانچہ آپؐ نے مولائے کائناتؑ کو مدینہ کی حفاظت کا حکم دیا اور فرمایا: ''اے علیؑ! مدینہ کا انتظام یا میں چلا سکتا ہوں یا تم چلا سکتے ہو۔''

اہل نفاق کو جب علیؑ کے مدینہ میں رہ جانے کا علم ہوا تو ان کو یقین ہو گیا کہ وہ اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب نہ ہوں گے لہٰذا ان کی زبانوں پر نفاق کا کینہ اور چھپے ہوئے حسد ظاہر ہو گئے چنانچہ انھوں نے کہا کہ: ''رسولؐ خدا نے علیؑ کو تجلیل و تکریم و محبت کی بنا پر مدینہ میں نہیں چھوڑا بلکہ ان کو اپنے اوپر گراں سمجھتے ہوئے چھوڑا ہے انھوں نے یہ بات ایک دوسرے سے اس لئے نقل کی تا کہ یہ بات مولائے کائناتؑ کے گوش گذار ہو جائے جب مولائے کائناتؑ کو معلوم ہوا کہ منافقین آپ کے خلاف افواہ اڑا رہے ہیں تو آپؑ نے ان کی تکذیب اور ان کو رسوا کرنے کی خاطر نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر فرمایا:

منافقین کا خیال ہے کہ آپؐ نے مجھ کو مدینہ میں اس لئے چھوڑا ہے کہ میرا وجود آپ کے لئے گراں ہے اور آپؐ مجھ سے ناراض ہیں تو نبیؐ نے ارشاد فرمایا:

''میرے بھائی! اپنی جگہ پلٹ جاؤ کیونکہ مدینہ کا انتظام یا میں چلا سکتا ہوں

یا تم چلا سکتے ہو کیونکہ تم میرے اہلبیتؑ، میرے دار ہجرت (مدینہ) اور میری قوم میں میرے جانشین ہو کیا اس بات سے راضی نہیں ہو کہ میرے نزدیک تمہارا وہی مقام ہو جو ہارونؑ کا موسیٰؑ کے نزدیک تھا اس فرق کے ساتھ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اس فقرے سے صرف منافقین کی رسوائی اور ان کی خفیہ سازش ہی آشکار نہیں ہوئی بلکہ مولائے کائناتؑ کی وہ فضیلت بھی آشکار ہوگئی جو کچھ مسلمانوں کے لئے پوشیدہ تھی خیر خواہ مجاہد کی شان بھی ایسی ہی ہونے چاہئیے۔

ادھر نبیؐ جب روانہ ہوئے تو راستہ میں آپؐ کے لئے کچھ نشانیاں اور کرامتیں آشکار ہوئیں یہاں تک کہ آپؐ ماہ شعبان میں چشمۂ تبوک پر پہونچے جہاں آپؐ نے شعبان کے باقی ایام اور رمضان کے کچھ دن گذارے اس قیام کے دوران آپؐ اطراف و مضافات میں مجاہدین کی چھوٹی ٹکڑیوں کو روانہ فرماتے رہتے تھے۔

ابو عبیدہ بن جراح کو زنباع بن روح جذامی کے ہمراہ قبیلۂ جُذام کی جانب روانہ فرمایا جنہوں نے کچھ کو قتل کیا اور کچھ کو قید کیا سعد بن عبادہ کو بنی سلیم کے لوگوں اور قبیلۂ بَلّی کی جانب روانہ فرمایا جب یہ ان لوگوں کے پاس پہونچے تو وہ بھاگ گئے خالد بن ولید کو "ذومۃ الجندل"[۱] کے

[۱] یہ وادی القری کی بستیوں یعنی "دومہ، سکاکہ، ذوالقادہ" میں سے ایک ہے ان بستیوں کا جائے وقوع کوہ "طے" کے نزدیک ہے۔

مالک اُکیدِر کے پاس بھیجا اور آپؐ نے خالد سے فرمایا: ''شاید خدا تمہارے لئے گائے کے شکار کو ہی کافی قرار دے جس کے ذریعہ تم اکیدر کو پکڑلو۔''

جب خالد ان کے قلعہ کے قریب پہونچے تو ان کے پاس ایک جنگلی گائے آپہونچی جو اپنے سینگوں کو قلعہ کے دروازے پر مار رہی تھی اس وقت چاندنی رات تھی چنانچہ اُگیدر، اس کا بھائی حسان اور اس کے کچھ ساتھی اس گائے کے شکار کے لئے نکلے تو اکید کو گرفتار کرلیا گیا لیکن اس کا بھائی حسان مارا گیا اور باقی ساتھیوں نے بھاگ کر دروازہ کو بند کرلیا اور نہیں کھولا پھر جب اکیدر نے اپنی جان کی امان حاصل کرلی تو اس نے ان سے دروازہ کھلوایا چنانچہ خالد اور اس کے ساتھی قلعہ میں داخل ہوئے اور زرہوں اور گندم کے علاوہ کافی مقدار میں اونٹ اور گوسفندوں کو رسولؐ کی جانب لے گئے پھر اُکیذر کو اس حال میں رسول اکرمؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا کہ اس نے سونے کے تاروں سے بنا ہوا دیباج کا لباس پہن رکھا تھا آپؐ نے اس کا خون معاف فرمادیا اور جزیہ کی بنا پر اس سے صلح فرمائی اور ایک قول کے مطابق وہ مسلمان ہوگیا۔

آپ تبوک ہی مین تھے کہ اَیلہ [۱] کا رئیس یوحنا بن روبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ کو جزیہ دیا رسولؐ نے اس کے لئے ایک نوشتہ تحریر

---

[۱] بحر قلزم کے ساحل پر یہ حجاز کا آخری اور شام کا ابتدائی حصہ ہے۔

فرمایا اسی طرح آپؐ نے جرباء اور اذرع [۲] کے باشندوں کے لئے ایک صلح نامہ تحریر فرمایا۔

ہرقل اپنے لشکر کو لے کر مملکت اسلامی کی حدود میں داخل ہو گیا لیکن اس نے نبیؐ سے جنگ نہ کی ایک قول یہ ہے کہ اس نے ایک شخص کو نبیؐ کی شکل و شمائل وصفات کا مشاہدہ کرنے کے لئے بھیجا اس قاصد نے جب آ کر خبر دی تو اس کو یقین ہو گیا کہ آپؐ سچے نبیؐ ہیں چنانچہ اس نے اپنی قوم کو آپؐ کی تصدیق اور آپؐ پر ایمان لانے کی دعوت دی لیکن انھوں نے انکار کیا البتہ وہ باطنی طور سے مسلمان ہو گیا۔

## گھاٹی میں نبیؐ کے خلاف سازش:

منافقین سردار انبیاء کو دھوکہ سے قتل کرنے کے لئے ہمیشہ موقع کی تلاش میں رہتے تھے ان میں سے کچھ اپنے نفاق و دشمنی کے سبب آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے تو آپ کے کچھ منافق اصحاب نے یہ طے کیا کہ اس سے پہلے کہ مدینہ اور مولائے کائناتؑ کی پناہ میں پہونچیں اور مزید طاقتور ہوں، آپ کو دھوکے سے قتل کر دیں بنابرایں انھوں نے یہ طے کیا کہ آپ کی اونٹنی کو راستے کی ایک گھاٹی میں بے قابو کر دیں اور اس طرح اونٹنی آپ کو گرا دے آپؐ جاں بحق

---

[۲] یہ شام کے مضافات کے شہروں میں سے ہے۔

ہو جائیں ۔ چنانچہ جب رات کے وقت آپؐ گھاٹی میں پہونچے تو آپؐ کے حکم سے لوگوں نے وادی کے درمیان کا راستہ اختیار کیا اور آپؐ نے بھی حذیفہؓ بن یمان اور عمارؓ بن یاسر کے ساتھ گھاٹی کے راستے سے گذرنے کا ارادہ کیا پھر جب منافقین نے پیچھے سے آپؐ پر حملہ کیا تو آپؐ کو غصہ آیا فوراً آپؐ نے حذیفہؓ کو لوگوں کو واپس کرنے کا حکم دیا تو آپ بھی حذیفہ کے ساتھ پلٹے اور لوگوں کی سواریوں کے منھ پر مارنا شروع کیا حذیفہ نے جب دشمنوں کو ڈھاٹا باندھے ہوئے دیکھا تو ان کو پہچان لیا اور وہ بھی حذیفہؓ کو دیکھ کر ڈر گئے اور خیال کرنے لگے کہ ان کی سازش کا پردہ فاش ہو گیا ہے لہٰذا وہ تیزی سے جا کر لوگوں میں گھل مل گئے اس کے بعد نبیؐ نے حذیفہؓ کو ان کے نام اور عزائم سے آگاہ کر دیا لہٰذا حذیفہؓ اسی وقت سے منافقین کو پہچاننے اور انہیں نگاہ میں رکھنے لگے۔

## منافقین کی مسجد نذرِ آتش:

نبی اکرمؐ منافقین کے ساتھ، ان کے شر سے بچنے اور ان کی سازش کو دفع کرنے کی غرض سے رواداری فرماتے تھے اور چونکہ اسلام کے ارکان ابھی مضبوط نہیں ہوئے تھے اور اعوان و انصار کی تعداد بھی کم تھی اس لئے ان کے ساتھ سختی سے پیش آنے کے قائل نہیں تھے لیکن جب یہ صورتحال پیش آئی تو ان کے ساتھ سختی سے پیش آنے لگے۔

منافقین کی ایک جماعت اکٹھا ہوئی اور انھوں نے ایک مسجد بنانے کا منصوبہ بنایا تا کہ نبی اکرمؐ کے ساتھ نماز میں حاضر نہ ہوں انھوں نے جب

مشاہدہ کیا کہ بنی عمرو بن عوف نے قُبا میں ایک مسجد تعمیر کر کے نبی کو وہاں آنے کی دعوت دی اور نبیؐ نے وہاں تشریف لا کر اس میں نماز پڑھی ہے چنانچہ انھوں نے کہا کہ ہم بھی ایک مسجد تعمیر کریں گے جس میں (لی دی) نماز پڑھ لیا کریں گے اور حضورؐ کی جماعت میں حاضر نہ ہوں گے چنانچہ جب وہ مسجد قُبا کے برابر میں اپنی مسجد کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو انھوں نے آپ کو اس میں نماز پڑھنے کی دعوت دی اس وقت حضورؐ تبوک جانے کی تیاری کر رہے تھے منافقین نے کہا ہم نے معذوروں، حاجتمندوں، ٹھنڈی اور بارش میں بھیگی راتوں (میں نماز پڑھنے) کے لئے مسجد تعمیر کی ہے ہم چاہتے ہیں کہ آپؐ ہمارے ساتھ تشریف لائیں اور اس میں نماز پڑھیں اور ہمارے لئے برکت کی دعا فرمائیں تو آپؐ نے اپنے سفر سے واپسی پر ان سے ایسا کرنے کا وعدہ فرمایا جب آپؐ تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپؐ پر یہ آیات نازل ہوئیں:

"وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا، لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ، فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ

لَایَھۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ"(۱)

"اور (وہ لوگ بھی منافقین ہیں) جنہوں نے (مسلمانوں کو) نقصان پہونچانے، کفار ومومنین کے درمیان تفرقہ ڈالنے اور اس شخص کی گھات میں بیٹھنے کے واسطے مسجد بنا کر کھڑی کی ہے جو خدا اور اس کے رسولؐ سے پہلے لڑ چکا ہے (اور لطف تو یہ ہے کہ) یہ لوگ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے بھلائی کے سوا کچھ اور ارادہ ہی نہیں کیا اور خدا خود گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں (اے رسولؐ) تم اس (مسجد) میں کبھی کھڑے بھی نہ ہونا جس مسجد کی بنیاد اول روز سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ ضرور اس کی زیادہ حقدار ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو (کر نماز پڑھو کیونکہ) اس میں وہ لوگ ہیں جو پاک و پاکیزہ رہنے کو پسند کرتے ہیں اور خدا بھی پاک و پاکیزہ رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے کیا جس شخص نے خدا کے خوف اور خوشنودی پر اپنی عمارت کی بنیاد ڈالی ہو وہ زیادہ اچھا ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اس بودے کنارے کے لب پر رکھی ہو جس میں دراڑ پڑ چکی ہو اور گرانا چاہتا ہو پھر وہ اسے لے دے کے جہنم میں پھٹ پڑے اور خدا ظالم لوگوں کو منزل مقصود تک نہیں پہونچایا کرتا۔" بہر حال آپؐ نے کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ اس مسجد کو ڈھادو اور جلا دو اس کے بعد وہ منافقین اس خوف سے متفرق ہو گئے کہ نبی کہیں ان کے ساتھ ان ارادوں کی بنیاد پر برتاؤ نہ کریں جو ان کے باطن میں مضمر ہیں۔

---

(۱) سورۂ توبہ آیت ۱۰۷ تا ۱۰۹

## جنگ تبوک اسلام پر اثرات:

اس زمانے میں کچھ مسلمان یہ خیال کرتے تھے کہ جنگ میں جب تک قتل، اسارت اور لوٹ مار نہ ہو وہ اسلام کے لئے کامیابی نہیں لا سکتی ان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ نبی کی نگاہ ان کے مطامح نظر سے کہیں زیادہ بلند ہے اسلام کی ترقی، نشر و اشاعت، کامیابی اور دشمنوں سے نجات جیسے مقاصد کو حاصل کرنا جنگ اور تحریری معاہدہ و صلح کے ذریعہ اسلحہ کے ذریعہ حاصل کرنے کے مقابلہ میں زیادہ سزاوار ہے اور نبی کی جنگیں فقط مجبوری کی بنا پر ہی واقع ہوئی تھیں۔

مسلمانوں نے دیکھا کہ انھوں نے طویل مسافت طے کی ہے، شدید تشنگی اور سخت دھوپ کا سامنا کیا ہے خاندان، وطن اور پکے ہوئے پھلوں کو چھوڑا ہے بڑے تزک و احتشام، ساز و سامان اور افراد کی کثرت کے ساتھ یہاں جنگ پر آئے ہیں پھر بھی دست بستہ قیدیوں، لوٹ و کھسوٹ کے سامان، سونے چاندی کے سکوں سے بھرے بوروں، جانوروں اور کنیزوں کو قید کر کے نہیں لائے ہیں جبکہ ایسا کرنا متعدد جنگوں میں ان کا معمول بن گیا تھا اور وہ اسی طرح گویا مالدار ہو گئے تھے الغرض انھوں نے سوچا کہ نبیؐ جنگ میں کامیاب نہیں ہوئے اور اگر وہ اپنے گھروں میں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ آرام سے رہتے، پکے پھلوں کو توڑ کر کھاتے تو زیادہ بہتر ہوتا وہ اس بات کو بھول گئے کہ اس جنگی سفر کی بدولت اور اس میں کیئے گئے معاہدات کے ذریعہ اسلام کو کتنا فائدہ پہونچا مثلاً جزیہ وصول کرنے، جزیرۃ العرب کی سرحدوں کی حفاظت،

ہرقل وروم کو اسلامی ملک پر حملہ کرنے سے ڈرانے اور اس کے بعد جنگ سے آسودہ خاطر ہونے کی وجہ سے اسلام کی طاقت میں اضافہ ہوا اور اس کا اثر ورسوخ بڑھ گیا اور اگر وہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے ،عیش وآسائش میں لگے رہتے ، کسی وادی کو طے نہ کرتے ، کسی پہاڑ پر نہ چڑھتے ، تیز گرمی اور تیز دھوپ کو برداشت نہ کرتے تو بھلا یہ سب کیسے ہوسکتا تھا؟

یہ جنگ تبوک حضورؐ کی آخری جنگ تھی اس کے بعد آپؐ نے بالکل جنگ نہ کی یہ جنگ ۹ھ میں رونما ہوئی۔

## علیؑ کی تبلیغ برائت نے آتش شرک کو سرد کر دیا:

حضورؐ نے مختلف قبائل سے معینہ مدت تک کچھ سمجھوتے کئے تھے یہ آپ کی ایسی سیاست تھی جس کے ذریعہ آپؐ نے اسلام کی خدمت فرمائی چنانچہ مشرک قبائل حج میں اپنی عادات کے مطابق معاہدوں کے پابند تھے جب عرب والے اسلام میں جوق درجوق داخل ہونے لگے اوران کے وفود ہر علاقہ سے خوشی خوشی آکر اسلام کا اظہار کرنے لگے تو مشرک کے درخت کو جو شرک کے جراثیم سے بھرے تھے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا وقت آپہونچا کیونکہ اسلام کے ماننے والوں کی کثرت اور ارباب شرک کی قلت کے بعد اسلام کے لئے اب خطرہ کوئی نہ تھا چنانچہ سورۂ برائت نازل ہوا اور حج کا زمانہ آگیا تو مشرکین کو حج، خانہ کعبہ کے طواف اور حج میں بت پرستی کے شعائر سے روکنا اب ضروری ہوگیا۔ کیا اسلام ہدایت واصلاح اور کفروشرک کی رسوم کو محو کرنے کیلئے نہیں

آیا تھا؟ البتہ سردار انبیاءؐ اس کام کو یکبارگی انجام نہیں دے سکتے تھے اسی لئے آپؐ پہلے دعوت کو عام کرنے اور لوگوں کو ان کی غلطی و جہالت کا احساس دلانے اور انہیں ہدایت و صراط مستقیم پر گامزن کرنے میں اپنی طاقت و سیاست کا استعمال رفتہ رفتہ کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ کے اعوان و انصار میں اضافہ ہوتا چلا گیا پھر انہیں افراد کے ذریعہ، حجت تمام کرنے اور ڈرانے کے بعد، شرک کی طاقتوں کو نابود کرنے کے سلسلہ میں آپؐ نے قدم اٹھایا۔

چنانچہ حضورؐ نے ابوبکر کو مکہ بھیجا تا کہ ہر گوشہ و کنار سے حاضر ہونے والے افراد کو سورۂ برائت کی تبلیغ کریں اور تاکید کریں کہ وہاں موجود افراد غیر حاضر افراد تک اس پیغام کو پہونچادیں۔ جب ابوبکر روانہ ہو گئے تو جبرئیلؑ یہ پیغام لے کر نازل ہوئے کہ سورۂ برائت کی یا آپؐ خود تبلیغ فرمائیں یا آپ کے اہلبیتؑ میں سے کوئی ایک تبلیغ کرے چنانچہ آپؐ نے ابوبکر کو ہمیشہ کے لئے معزول کرتے ہوئے ان کے پیچھے مولائے کائناتؑ کو روانہ فرمایا آپؑ نے ابوبکر سے سورۂ برائت کو لے لیا اور جبکہ لوگ مناسک حج ادا کر رہے تھے، ان کے سامنے منیٰ میں اس سورہ کو بلند آواز سے پڑھا: "بَرَاۤءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ..." "(اے مسلمانو) جن مشرکوں سے تم لوگوں نے صلح کا عہد و پیمان کیا تھا اب خدا اور اس کے رسول کی طرف سے ان سے (ایک دم) بیزاری ہے۔ جب آپؑ اس کو پڑھ چکے تو بلند آواز سے فرمایا: لوگو! جنت میں کوئی مشرک نہ جائے گا اور اس سال کے بعد نہ کوئی

مشرک حج کرے گا اور نہ کوئی برہنہ شخص خانۂ کعبہ کا طواف کرے گا۔ جس نے رسول خداؐ سے کوئی معاہدہ کر رکھا ہو وہ اپنی معینہ مدت تک معتبر ہے پھر اس دن سے آپؐ نے لوگوں کو چار ماہ کی مہلت دی تا کہ ہر شخص اپنی قوم، جائے امن اور اپنے شہر واپس جا سکے۔ گویا اس طرح اس تبلیغ کے ذریعہ شرک کی مدت اور اس کی حیات کا خاتمہ ہو گیا، اس سے ہم اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام کس طرح اتنے بلند مقام و مقاصد تک پہونچا کہ ڈرانے دھمکانے، اہل شرک کو خانۂ کعبہ اور اپنے شعائر کے اظہار سے روکنے کے ذریعہ اس نے بت پرستی کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا، اب کسی مشرک میں اس دن کے بعد سے اپنی عادات و رسوم کا اظہار کرنے اور اپنے شعائر کے مطابق حج میں آنے کی ہمت نہ تھی کیونکہ اسلام کی طاقت اس کا گلا گھونٹ رہی تھی۔

مباہلہ اور اسلام میں اس کی تاثیر:

جب اسلامی دعوت دور دراز کے علاقوں میں پھیل گئی اور لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ حضورؐ ہر آنے والے شخص کا احترام کرتے ہیں خواہ اس کا مقصد صلح و تحریری معاہدہ ہو یا جدل اور مناظرہ کرنا ہو یا (اسلام کی حقانیت کا) اعتراف کرنا اور اس کو قبول کرنا ہو تو مختلف قبائل کے وفود ہر سمت اور علاقہ سے یثرب کی جانب ٹوٹ پڑے ان وفود میں نجران کے عیسائیوں کا وفد بھی تھا یمن کے شہر نجران میں بہت عیسائی تھے اور ان کے درمیان بڑے بڑے راہب عابد پائے کے علماء و اسقف اور صاحبان علم و معرفت تھے چنانچہ ان کا ایک وفد اختیار

ومناظرہ کی غرض سے مدینہ آیا یہ ساٹھ سوار پر مشتمل تھا ان میں چودہ صاحب حیثیت واشراف تھے ان چودہ میں سے تین ایسے تھے جو ہر بات میں پورا اختیار رکھتے تھے یعنی ''عاقب'' جو ان کا امیر تھا ''سید'' جو ان کا امام تھا ''ابو حارثہ'' جو ان میں سب سے بڑا صاحب علم ''اسقف'' تھا۔

جب مناظرہ جناب عیسیٰؑ کے بارے میں شروع ہوا اور انھوں نے ان آیات کے سامنے سرِ تسلیم ختم نہ کیا جو قرآن میں جناب عیسیٰؑ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں تو رسولؐ خدا نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی اسی سلسلہ میں سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے: ''اِنَّ مَثَلَ عِیسیٰ عِندَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ، اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَاتَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَ كَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْانَدْعُ اَبْنَاءَ نَاوَاَبْنَآءَ كُمْ وَنِسَآءَ نَاوَنِسَاءَ كُمْ وَاَنْفُسَنَاوَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ (۱)

خدا کے نزدیک تو جیسے خلقت میں حضرت آدمؑ، ویسے ہی حضرت عیسیٰؑ، ان کا مٹی کا پتلا بنا کر کہا کہ ہو جا پس (فوراً ہی) وہ (انسان) ہو گیا (اے رسولؐ یہ ہے) حق بات (جو) تمہارے پروردگار کی طرف سے (بتائی جاتی) ہے، تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا پھر جب تمہارے پاس علم (قرآن) آچکا اس

---

(۱) سورۂ آل عمران آیت/۵۹ تا ۶۱

کے بعد بھی اگر تم سے کوئی (نصرانی) عیسیٰؑ کے بارے میں حجت کرے تو اس سے کہہ دو! (اچھا میدان میں) آؤ ہم اپنے بیٹوں کو لائیں، تم بھی تم اپنے بیٹوں کو لاؤ، ہم اپنی عورتوں کو لائیں اور تم اپنی عورتوں کو لاؤ، ہم اپنے نفسوں (جانوں) کو لائیں، تم بھی اپنے نفسوں کو لاؤ اس کے بعد ہم سب مل کر (خدا کی بارگاہ میں) گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔" چنانچہ جب حضورؐ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی تو انھوں نے اگلے دن کی صبح تک مہلت مانگی جب وہ اپنی اقامت گاہ واپس ہوئے تو ان میں سے سب سے بڑے عالم واسقف "ابوحارثہ" نے کہا کل محمد کو دیکھنا اگر وہ اپنے اہلبیتؑ کے ساتھ آئیں تو ان سے مباہلہ مت کرنا اور اگر اپنے اصحاب کے ساتھ آئیں تو ان سے مباہلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگلے دن رسولؐ اس شان سے برآمد ہوئے کہ آپؐ نے مولائے کائناتؑ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا، امام حسنؑ اور امام حسینؑ آپ کے آگے چل رہے تھے اور جناب فاطمہؑ پیچھے تھیں آپؐ نے فرمایا: "جب میں بددعا کروں تو تم آمین کہنا۔" ادھر نصاریٰ اس طرح نکلے کہ ان میں سب سے آگے ان کا سب سے بڑا صاحب علم ابوحارثہ تھا جب اس نے نبیؐ کو صرف چند افراد کے ساتھ دیکھا تو دریافت کیا، کسی نے اس سے بتایا یہ آپؐ کے چچازاد بھائی، داماد اور سب سے زیادہ محبوب شخص ہیں یہ دو علیؑ کی اولاد سے آنحضرتؐ کے نواسے ہیں اور یہ خاتون ان کی بیٹی فاطمہؑ ہیں جو ان کے نزدیک سب سے زیادہ آبرومند اور دل سے بہت زیادہ قریب ہیں۔ رسول اکرمؐ آگے بڑھے اور

گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے تو ان کے سب سے بڑے اسقف ابو حارثہ نے کہا کہ خدا کی قسم یہ اسی طرح گھٹنوں کے بل بیٹھے جیسے انبیاءؑ مباہلہ کے لئے بیٹھتے تھے۔ چنانچہ اس پر اس طرح خوف سوار ہوا کہ اس میں مباہلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی تو ان کے "سید" نے کہا اے ابو حارثہ مباہلہ کے لئے آگے بڑھو تو اس نے کہا میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹانا چاہیں تو ہٹا سکتے ہیں لہٰذا مباہلہ مت کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے پھر اس نے نبیؐ سے کہا اے ابوالقاسمؐ ہم آپؐ سے مباہلہ نہیں صلح کرنا چاہتے ہیں لہٰذا آپؐ ہم سے ایسے امر کے سلسلہ میں صلح فرمائیں جس کو ہم انجام دے سکیں چنانچہ حضورؐ نے چار ہزار حُلوں اور لوہے کی تیس زرہوں پر ان سے صلح کی پھر آپؐ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو یہ میدان ان کے لئے آگ بن جاتا۔[۱] یہ مباہلہ نبوت کی برترین نشانیوں اور آشکارترین دلیلوں میں سے تھا کیونکہ حضورؐ اس میں اپنے ان اہلبیتؑ کے ساتھ برآمد ہوئے جن کو خدا نے ہر طرح کی برائی سے پاک رکھا ہے جیسا کہ پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔ یہ اہلبیتؑ اس شان سے نکلے کہ ان پر نورِ الٰہی کا جلوہ تھا اور خدائی ہیبت ان کا احاطہ کئے ہوئے تھی البتہ معمولی لباس پہننے کی وجہ سے انہیں کوئی امتیاز نہ تھا اور آپؐ اپنے اصحاب و انصار کے ساتھ برآمد نہیں ہوئے

---

[۱] واحدی کی اسباب النزول، علامہ طبرسیؒ کی مجمع البیان اور علامہ سیوطی کی در منثور وغیرہ دیکھیں۔

لیکن وہ لوگ بہترین اور ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے جس طرح کہ ارباب حکومت وسلطنت پہنے ہوتے ہیں، ان کے سب سے بڑے عالم دین ابوحارثہ نے پہچان لیا کہ آپ واقعی نبیؐ ہیں تسلط اور حکومت کے خواہشمند حکمراں نہیں۔

عیسائیت نے اپنی آرزوئیں اس وفد سے وابستہ کر رکھی تھیں کیونکہ اس میں اُمراء، علم واجتہاد وشرف ورفعت رکھنے والے افراد موجود تھے بادشاہانِ روم کے نزدیک ابوحارثہ کا بہت بڑا مرتبہ تھا، انھوں نے اس کی ذات پر بے تحاشہ دولت صرف کی تھی اور بہت سے گرجا گھر تعمیر کرائے تھے۔ ہم کونہیں معلوم کہ یہ بادشاہانِ روم کی جانب سے عیسائیت کی یا اپنی حکومت کی خدمت اور تبلیغ تھی جب یہ افراد پسپا ہو کر بلکہ رسوائی کے ساتھ اور جزیہ دے کر نجران پلٹے تو عیسائیت بلکہ دوسری اقوام بھی اسلام کا مناظرہ کے ذریعہ مقابلہ کرنے سے مایوس ہوگئیں بہرحال عیسائیوں کی یہ ناکامی اور ان کا جزیہ دینا اسلام کی ترقی، اس کے ماننے والوں کو مسرت اور ان کے قلوب میں ایمان کے راسخ ہونے کے اسباب میں سے تھی کیونکہ سب لوگ عیسائی قوم کے علم اور ان کی حجت کی قوت وطاقت کو جانتے تھے ان کے مباہلہ میں پیچھے ہٹ جانے کے ذریعہ عرب والوں کو دین اسلام کی حقانیت اور پیغمبرؐ کی صداقت کا علم ہوگیا ورنہ ان کے صاحبان علم اور مباہلہ کرنے کے اہل افراد اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ضرور حجت قائم کرتے اور یہ مباہلہ کرنے والا شخص اگر نبیؐ نہ ہوتا تو مشکلات میں گھر جاتا۔

## حجۃ الوداع اور اسلامی شعائر:

حجۃ الوداع ۱۰ھ میں انجام پایا اور اس کے کچھ عرصے بعد ۲۸ صفر ۱۱ھ میں حضورؐ کا انتقال ہوگیا۔ اس کو حجۃ الوداع اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے بعد نبیؐ نے کوئی حج نہیں کیا یا چونکہ آپ کو اپنی وفات کے قریب ہونے کا بہتر علم تھا اور گویا آپؐ نے لوگوں کو اس حج کے ذریعہ الوداع کہا ہے اس کو "حجۃ الاسلام" بھی کہتے ہیں کیونکہ اسلام کے تمام احکام پر عمل اسی حج میں ہوا ہے۔

جب سرکار رسالتمآبؐ نے حج کا ارادہ فرمایا تو لوگوں کو حج کرنے کی خبر دی اور آپ کی دعوت حج مملکت اسلامیہ کے دور دراز گوشوں تک پہونچ گئی چنانچہ آپؐ کے ساتھ حج کرنے کے لئے بہت سے لوگ تیار ہو گئے مدینہ کے مضافات اور دور دراز سے بہت زیادہ لوگ آپ کی خدمت میں پہونچ گئے اور پھر یہ قافلہ بڑی دھوم دھام سے مکہ کی طرف ۲۵ ر ذیقعدہ کو روانہ ہوا۔

آپؐ کے ساتھ جانے والوں کی تعداد کے سلسلہ میں اختلاف ہے ایک قول کے مطابق ایک لاکھ تھی ایک اور قول کے مطابق اس سے زیادہ تھی اور تیسرے قول کے مطابق اس سے کم لوگ تھے آپؐ کے ساتھ حج کرنے والوں کی یہ تعداد یمن اور مکہ والوں کے علاوہ تھی۔ اسلام کی یہ شان و شوکت آپ کی نگاہ میں کیسی ہے؟ کفار اور ہٹ دھرم افراد کی مخالفت کے باوجود خدا نے کس طرح اپنے امر کو غالب کیا؟ کس طرح لوگوں نے اسلام کے احکام اور شعائر پر بغیر کسی رکاوٹ کے عمل کرنا شروع کر دیا ہے اور کیا آپ کو اہل کفر کا کوئی فرد اور نام و نمود نظر آتا ہے جبکہ خانہ کعبہ کے آس پاس وہی صاحبان نام و نمود،

طاقتور اور رعب و دبدبہ والے تھے؟ کیا اس عظیم الشان مقام پر اسلام، تبلیغ ودعوت میں محنت، موقف پر ثابت قدمی، مصیبت پر صبر، جہاد اور جان و مال کی قربانی کے بغیر پہونچ گیا ہے؟

یہ دن اس دن سے کتنا مختلف ہے جب آپ مکہ سے خوفزدہ حالت میں نکلے تھے جب اہل مکہ نے آپؐ کو قتل کرنا چاہا تھا پھر آپ کو پلٹانے یا قتل کرنے کے لئے راستے بند کر دیئے تھے؟ اور تمام امور خدا کے اختیار میں ہیں وہی ان پر کنٹرول کرتا ہے۔

## مولائے کائناتؑ کی واپسی اور اعمال حج میں شرکت:

حضرت رسول خداؐ نے مولائے کائناتؑ کو یمن، اسلام کی دعوت تبلیغ اور ان حلّوں (یمنی لباس) کی وصول یابی کے لئے بھیجا تھا جس کے سلسلہ میں آپؐ نے نجران کے عیسائیوں سے صلح فرمائی تھی اور آپؐ نے مولائے کائناتؑ کو حکم دیا تھا کہ وہ آپؐ سے مکہ میں آملیں جب حضورؐ مدینہ کے راستہ سے مکہ کے قریب ہوئے تو یمن کے راستہ سے مولائے کائناتؑ آملے آپؑ حضورؐ سے ملاقات کے شوق میں اپنے لشکر سے پہلے حضورؐ کی خدمت میں چلے آئے اور لشکر کا سردار کسی ایک شخص کو بنا دیا آپ حضورؐ کے پاس اس وقت پہونچے جب آپؐ مکہ میں داخل ہونے ہی والے تھے آپ نے حضورؐ کو سلام کیا اور اپنی کارکردگی اور وصول کردہ جزیہ سے حضور کو آگاہ کیا آپ سے ملکر اور یہ خبر سن کر حضورؐ بہت خوش ہوئے۔ پھر مولائے کائناتؑ اپنے لشکر کی

جانب پلٹ گئے اوران کے ساتھ احرام حج باندھ کر مکہ میں داخل ہوئے۔

نبیؐ نے مولائے کائناتؑ کواسی سال یمن کی جانب ماہ رمضان میں روانہ فرمایا تھا آپؑ کوایک پرچم دیا تھا اوراپنے دست مبارک سے آپؑ کے سر پرعمامہ باندھاتھااور فرمایاتھا''کسی چیز کی پرواہ کیئے بغیر چلے جاؤ جب تم ان کے علاقہ میں پہونچنا تو ان سے جنگ میں پہل مت کرنا اوران کوکلمۂ توحید کی دعوت دینا اگروہ قبول کرلیں توان کونماز کاحکم دینا اگروہ قبول نہ کریں توان سے اس کے علاوہ اورکسی چیز کا مطالبہ مت کرنا خدا کی قسم اگرتمہاری وجہ سے خداایک شخص کی ہدایت فرمادے تو یہ تمہارے لئے ان چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع یاغروب ہوا ہے۔''

چنانچہ جب قبیلہ مذحج آپ کے سامنے ہتھیاروں کے ساتھ صف آرا ہوئے توان سے آپ کی متعدد جھڑپیں ہوئیں جن میں آپؑ غالب رہے پھر مذحج مسلمان ہوگئے اورانھوں نے زکات ادا کی آپؑ ہی کے ہاتھوں سارا قبیلۂ ہمدان ایک ہی دن میں مسلمان ہوگیا۔ جب کہ خالد بن ولید ان کے درمیان رہ کر چھ مہینے تک ان کودعوت اسلام دیتے رہے لیکن کوئی مسلمان نہ ہوا ایک قول یہ ہے کہ ہمدان کے قبیلہ کے لوگ مولائے کائناتؑ کے ہاتھوں ۸ھ میں اسلام لاچکے تھےاور یہ کہ آپؑ دومرتبہ جنگ (اور تبلیغ اسلام) کے لئے یمن تشریف لے گئے۔ بہرحال ۱۰ھ میں یمن میں اسلام پھیلا اور جب مولائے کائناتؑ زبان اور شمشیر کے ذریعہ دعوت اسلام دے رہے ہوں اور نجران کے عیسائی

پسپا ہو کر اور جزیہ ادا کر کے لوٹ چکے ہوں تو بھلا یمن میں کوئی کافر باقی رہ سکتا ہے؟

جب مولائے کائنات مکہ واپس ہوئے تو آپ کے ہمراہ کچھ افراد نے رسولؐ سے آپ کی شکایت کی تو نبیؐ غضبناک ہوئے اور بہ آواز بلند فرمایا:
"لوگو! علی بن ابیطالب کے خلاف اپنی زبانیں بند رکھو کیونکہ وہ ذاتِ خدا کے سلسلہ میں سخت ہیں، دین خدا میں نرمی برتنے والے نہیں ہیں۔" یہ سن کر ان لوگوں نے آپ کے خلاف چہ میگوئیاں کرنا بند کر دیا اور ان کو نبیؐ کے نزدیک آپ کے مرتبے کا علم ہو گیا نیز ان کو معلوم ہو گیا کہ آپ اس شخص سے ناراض ہو جاتے ہیں جو آپ میں نقص نکالنا چاہے۔

یہ نئی بات نہیں کہ لوگوں نے آپ کی شکایت کی اور یہ بھی جائے تعجب نہیں کہ آپ غضبناک ہوئے کیونکہ لوگ مال و دولت کے خواہاں ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ سب سے اچھی چیز صرف انہیں کو ملے جب کہ خدا اور رسولؐ اور مولائے کائنات ان کے لئے وہ چیز چاہتے ہیں جن میں ان کی زیادہ مصلحت ہو اور ان کے حق میں زیادہ نفع بخش ہو۔ ان کی شکایت یہ تھی کہ مولائے کائنات نے ان کے شانوں سے وہ لباس اتار لئے تھے جن کو وہ نجران کے عیسائیوں سے لے کر آئے تھے انھوں نے ان کپڑوں کو مکہ میں داخلہ کا ارادہ کرتے وقت نبیؐ اور خود آپ سے پوچھے بغیر پہن لیا تھا اور یہ ان کا تصرف نادرست تھا حضورؐ ان پر اس لئے غضبناک ہوئے تھے کیونکہ انھوں نے مولائے کائنات

کی اس امر کے سلسلہ میں شکایت کی تھی جس کو آپؐ نے خدا اور دین کی منشا کے



مطابق انجام دیا تھا۔

غدیر خم اور مولائے کائناتؑ کی بیعت:

عالمی حکومتوں کی روش ہے کہ ان کے سر براہوں (خواہ بادشاہ یا صدرِ مملکت اس کا کوئی) ایک ولی عہد یا جانشین ہوتا ہے جو اس کے بعد پہلے ہی دن سے حکومت کے نظم کو سنبھالتا ہے۔ عوام حاکم کے بغیر نہیں رہ سکتی کیونکہ حاکم کے بغیر نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور افراتفری پھیل جاتی ہے اگر حاکم بنائے جانے کا معاملہ بادشاہ یا صدر مملکت کی وفات کے بعد تک کے لئے چھوڑ دیا جائے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا جانشین منتخب کیا جائے تو ہرج ومرج سے بچاؤ کی ضمانت نہیں دی جاسکتی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ تیزی کے ساتھ بدلتے حالات میں معاملات کا انتظام کسی ایک شخص کے ہاتھوں میں سپرد نہ کیا جاسکے تو آپ اس دن لوگوں کی حالت کو کس طرح دیکھیں گے؟

لہٰذا وفات نبیؐ سے قبل نبی کا خلیفہ اور قائم مقام معین کیا جانا ایسا امر تھا جس کی عقل وعرف وعادت متقاضی تھی کیونکہ خدا اور سول لوگوں کو آزاد کس طرح چھوڑ سکتے ہیں کہ ان میں سے بعض، خلیفہ کے انتخاب کے سلسلہ میں دوسرے بعض سے اختلاف کریں؟ چونکہ نبوت، فضائل اور زمانی وروحی حکومتوں کا مجموعہ تھی لہٰذا نبی کا نائب اور خلیفہ ایسا شخص ہونا چاہئے جس میں مختلف کمالات موجود ہوں، سیاست وعلم دونوں موجود ہوں کیونکہ لوگوں کو ایسی شخصیت کی ہی

ضرورت ہے جیسے خود رسول گرامیؐ تھے۔

جبکہ نبوت کسی شخص میں خدا کی تعیین کردہ ہوتی ہے، خدا ہی کو اپنے بندوں اور اس شخص کی بہتر معرفت ہے جو اس سنگین ذمہ داری کو اٹھانے کے لائق ہوتا ہے اور اس عظیم مسئولیت کو انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس کے نائب کو بھی خدا کی جانب سے معین ہونا چاہیئے کیونکہ جس ذمہ داری کو وہ سنبھالنے جارہا ہے وہ رسالت کی ہی ذمہ داری ہے. بس فرق یہ ہے کہ اس ذمہ داری میں وحی اور احکام کی تشریع نہیں اسی لئے حضور اکرمؐ خلیفہ اور اپنے بعد کے قائم مقام کی تعیین کے سلسلہ میں امرِ خدا کے منتظر رہتے تھے کیونکہ خدا ہی کو اس کے بارے میں بہتر علم تھا کہ کون اس منصب کے لئے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے چنانچہ خداوند سبحان کی جانب سے وقت کی تعیین کے بغیر اس مقام اور اس عظیم ذمہ داری کو سنبھالنے کے لئے علیؑ کو منصوب کرنے کا حکم نازل ہوا مناسب وقت تھا کہ جب نبیؐ اور آپؐ کے ساتھ لوگ حجۃ الوداع کی واپسی پر غدیر خم پہونچے جہاں سے مکہ سے آنے والے حاجیوں کے راستے علحدہ ہو جاتے تھے اور مکہ میں داخل ہونے والوں کے راستے ایک ہوتے تھے اگر آپؐ اس امر ولایت کی اس مقام اور محل اجتماع میں تبلیغ کا ارادہ ترک کردیتے تو شاید اس جیسا کوئی محل اجتماع نہ پاتے جس میں تبلیغ عام اور لوگوں پر حجت و دلیل قائم ہوتی خصوصاً جب کہ آپ کا وقت آخر قریب آچکا تھا چنانچہ نبیؐ نے اس مقام پر ٹھہرنے کا حکم دیا حالانکہ یہ رکنے کے لائق جگہ نہ تھی، آپؐ رکے ہی تھے کہ آیت نازل ہوئی:

"یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔۔۔"[۱] "اے رسولؐ جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے پہونچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (سمجھ لو کہ) تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہونچایا اور (تم ڈرو نہیں) خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔"

یہ آیۂ کریمہ ہم کو بتاتی ہے کہ رسالت کی تبلیغ اور اس کو اس طرح پہونچانا کہ اس کا نفع پوری دنیا کو ہو، اسی وقت ممکن ہے جب رسولؐ کے قائم مقام خلیفہ کو نصب کیا جائے اسی لئے خدا نے فرمایا: "وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ" یہاں مراد وہ رسالت ہی ہے جس کو خدا دونوں عالم میں بندوں کی بہتری کے لئے چاہتا ہے۔ اور بھلا دنیا و آخرت میں بندوں کی اصلاح نبیؐ اور اس کے اس خلیفہ کے سوا کوئی کر سکتا ہے جو دین و دنیا میں اس کا نائب ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو؟

چونکہ حضورؐ کو بہتان تراشوں اور اہل نفاق کی تکذیب نیز ان کے الزام لگانے کا اندیشہ تھا کہ آپؐ نے علیؑ کو قرابتداری کی بنا پر منصوب کیا ہے نہ حکم خدا کے مطابق، لہٰذا خداوند دانا نے آپؐ کو، لوگوں کی الزام تراشیوں سے جن سے آپؐ ڈرتے تھے، ان سے محفوظ قرار دے کر آسودہ کر دیا۔

---

[۱] سورۂ مائدہ آیت ر۶۷

چنانچہ حضورؐ نے غدیر خم میں قیام فرمایا تاکہ لوگوں کے درمیان اس وظیفہ کو انجام دیں اور ان کو خلیفہ اور اپنے بعد کا امام نصب کرنے کے سلسلہ میں خدا کے حکم کی نشاندہی فرمائیں وہ دوپہر کا وقت تھا، دھوپ تیز تھی موسم گرم تھا بے آب وگیاہ ہونے کی وجہ سے وہ جگہ نہ ٹھہرنے کے لائق تھی اور سایہ نہ ہونے کے سبب نہ اجتماع کے لائق تھی البتہ اکا دکا چھوٹے بڑے (پھول کے) درخت ضرور تھے لیکن ان کا سایہ اس جمِ غفیر کے لئے ناکافی تھا۔

چنانچہ حضورؐ نے درختوں کے نیچے کی صفائی اور اونٹوں کے کجاووں کا منبر نصب کرنے کا حکم دیا تاکہ لوگوں کو اپنی آواز سنا سکیں پھر جب یہ سب انجام دیا جا چکا تو نماز جماعت کا اعلان کیا گیا لوگ مجتمع ہوئے اور ایک دوسرے منھ کو دیکھنے لگے گویا وہ اس اجتماع کے مقصد کو جاننا چاہتے تھے کیونکہ ایسے وقت اور مقام میں ان کو صرف بہت ضروری کام کے لئے ہی بلایا جاتا تھا حالت یہ تھی کہ لوگ دھوپ اور زمین کی تپش سے بچنے کے لئے اپنے کپڑے کے اضافی حصہ کو سر اور قدموں کے نیچے رکھ رہے تھے۔ مجمع کے سامنے آپؐ بالائے منبر تشریف لے گئے اور مولائے کائناتؑ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو اپنی داہنی سمت کھڑا کیا پھر ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ان کو نصیحت فرمائی اور اپنی وفات کی خبر دے کر فرمایا: ''میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جن کے دامن سے متمسک رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے ایک کتابِ خدا ہے دوسرے میری عترت جو میرے اہلبیتؑ ہیں یہ اس وقت تک ایک دوسرے

سے جدا نہ ہوں گے جب تک میرے پاس حوض کوثر پر نہ پہونچ جائیں'' پھر بلند آواز سے سب کو سنا کر کہا: ''اَلَسۡتُ اَوۡلٰی بِکُمۡ مِنۡکُمۡ بِاَنۡفُسِکُمۡ'' کیا مجھ کو تم سے زیادہ تمہارے نفوس پر اختیار نہیں ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''کیوں نہیں'' آپؐ نے اپنی بات تین بار دہرائی اور انھوں نے بھی تین بار جواب دیا پھر آپؐ نے فرمایا: ''خدا میرا مولا ہے اور میں ہر مومن کا مولا ہوں۔''

پھر علیؑ کو بازو پکڑ کر اتنا بلند فرمایا کہ آپ کی سفیدیٔ بغل نمودار ہوگئی اور فرمایا: ''مَنۡ کُنۡتُ مَوۡلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوۡلَاہُ'' ''جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علیؑ بھی مولا ہیں خدایا تو اس کو دوست رکھ جو ان کو دوست رکھے اور اس کو دشمن رکھ جو ان کو دشمن رکھے اس کی مدد کر جو ان کی مدد کرے اس کو رسوا کر جو ان کو رسوا کرے حق کو ادھر لے جا جدھر جدھر یہ جائیں۔''

آپ پالان شتر کے منبر پر وقت چاشت کے شروع میں تشریف لائے اور زوال کے نزدیک ہی نیچے تشریف لائے اس پوری مدت میں آپؐ لوگوں کو وعظ فرماتے رہے، مولائے کائنات کی فضیلت بیان فرماتے رہے نیز آپؑ کو خلافت و امامت کے لئے نصب کرنے کے فریضۂ الٰہی کی یاد دلاتے رہے۔

پھر اپنے خیمہ کے سامنے مولا علیؑ کے لئے ایک خیمہ نصب فرمایا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ منصب امامت کی تہنیت و مبارکباد پیش کریں اور آپ کو ''امیر المومنین'' کہہ کر سلام کریں چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا آپؐ نے خواتین

کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم دیا اور انھوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

حضرت ابو بکر و عمر، ان افراد میں سے تھے جنہوں نے آپ کو تفصیلی مبارکباد دی اور امیر المومنین اور ولی عہد کہہ کر آپ کو سلام کیا مثلاً ان حضرات نے کہا: "مبارک ہو مبارک ہو اے علیؑ آپ کو کہ آپؑ ہمارے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے۔" [۱]

حسان بن ثابت نے اس موقع کی اشعار میں منظر کشی کرنے کی اجازت طلب کی، آپؐ نے اجازت مرحمت فرمائی تو اس نے یہ اشعار کہے:

فَقَالَ لَهُ قُمْ یَاعَلِیُّ فَاِنَّنِیْ رَضِیْتُکَ مِنْ بَعْدِیْ اِمَاماًوَّ هَادِیَا

فَمَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَاوَلِیُّهٗ فَکُوْنُوْالَهٗ اَنْصَارَ صِدْقٍ مَوَالِیَا

هُنَاکَ دَعَااللّٰهُمَّ وَالِ وَلِیَّهٗ وَکُنْ لِلَّذِیْ عَادیٰ عَلِیًّامُعَادِیَا

"حضورؐ نے مولائے کائناتؑ سے فرمایا اے علیؑ کھڑے ہو جاؤ کیونکہ میں اپنے بعد تم کو امام اور راہنما بنانے پر خوش ہوں جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علیؑ بھی مولا ہیں لہٰذا لوگو! تم ان کے سچے مددگار بن جاؤ پھر حضورؐ نے یہ کہہ کر دعا فرمائی کہ بارالٰہا! علیؑ کو دوست رکھنے والے کو دوست رکھ اور ان سے دشمنی رکھنے والے کو دشمن رکھ۔" لوگ ابھی متفرق نہ ہوئے تھے کہ یہ آیۂ شریفہ نازل ہوئی:

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ

---

[۱] صواعق ابن حجر شبہہ یازدہم، تفسیر رازی در ذیل آیۂ بلّغ، مسند احمد بن حنبل از براء بن عازب... نیز دوسرے بہت سے مدارک۔

لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً...''(۱)

''آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا، تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا'' اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ دین کی تکمیل اور امت اسلامیہ پر نعمتوں کا پورا کیا جانا، حضرت علیؑ کو خلیفہ و جانشین بنانے پر ہی ممکن ہے۔ اور ہونا بھی یہی چاہئے کہ دین علیؑ کے بغیر کامل نہ ہو اور نعمت علیؑ کے بغیر پوری نہ ہو کیونکہ علیؑ کے بغیر لوگ تاویل قرآن اور حقائق احکام کی شناخت کے سلسلہ میں سرگرداں و جہالت کا شکار ہو جائیں گے اور ان کے لئے قیادت اور سیاست کی صلاحیت رکھنے والا کوئی نہ ہو گا چنانچہ وہ کبھی زید کی، کبھی عمر کی اور کبھی خالد کی بیعت کریں گے تو اس کو دنیا کے لئے پسند کریں گے دین کے لئے نہیں کبھی دین کے لئے پسند کریں گے دنیا کے لئے نہیں اس کے علاوہ اور بھی دیگر مشکلات ہیں جو اس وقت پیش آئیں گی جب امام خدا کی جانب سے منصوب نہ ہو۔ جیسا کہ وہ مولا علیؑ کو چھوڑ کر ان تمام مشکلات بلکہ ان سے بھی زیادہ بڑی مشکلات (جہالت و گمراہی و...) میں اس وقت پھنس گئے جب انھوں نے بیعت غدیر کی تاویل کرنے کی کوشش کی اور وہ آج بھی مولا علیؑ سے روگردانی کے نتیجے مین ان مشکلات کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں۔

یاد رکھیں! مولا علیؑ کی امامت کے سلسلہ میں امامت سے روگردانی

---

(۱) سورۂ مائدہ آیت ر۳

امام کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتی جبکہ آپ کی امامت پر حجت ان آیات کے ذریعہ قائم ہو چکی ہے جن کو لوگ صبح و شام پڑھتے ہیں اور نبی کی جانب سے اس جم غفیر کے سامنے دیئے جانے والے خطبہ کے ذریعہ قائم ہو چکی ہے اور یہ دونوں ٹھوس اور منزل مقصود تک پہونچانے والی دلیلیں ہیں۔

قرآنی دلیل کے سلسلہ میں کوئی دو رائے نہیں کہ آیۂ اکمال غدیر کے دن اس وقت نازل ہوئی جب مولائے کائنات کی بیعت کی جا چکی تھی۔

بیعت غدیر و روایت غدیر، سیرت اور حدیث کے لحاظ سے متواتر ہو چکی ہیں اور ہم میں اور دیگر مسلمانوں میں اختلاف صرف معنی اور دلالت میں ہے۔

بنا برایں صادق و امین اور عظیم منجی رسولؐ نے اسی وقت دنیا سے رحلت فرمائی ہے جب اس میں اس ہستی کو (علیؑ کو نصب کر دیا) جو اس عظیم بار کو سنبھال سکے جس کو ابھی تک آپؐ خود سنبھالے ہوئے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو رسالت کی نہ تبلیغ پوری ہوتی، نہ دین کامل ہوتا اور نہ نعمت تمام ہوتی پھر خداوند تعالیٰ اسلام کو اپنے بندوں کے لئے کیسے پسند کر سکتا تھا جب کہ اس کا ایک رکن استوار نہ تھا؟ نصب خلیفہ کئے بغیر نہ آپ کی رسالت پایۂ تکمیل کو پہنچی اور نہ ہی لوگوں پر عملی و روشن دلیل و حجت تمام ہوتی جب آپؐ نے خلیفہ معین فرما دیا جب آپؐ نے پوری امت پر، ہدایت کی گرہیں کھول دیں اور ارشاد راہنمائی کے ذریعہ بہت بڑا احسان اور امت پر کر چکے، تب خدا نے آپ کو دنیا سے اٹھایا ہے۔

آپ کی بزرگواری اور لطف کا ایک نمونہ یہ ہے کہ ان محنتوں اور کوششوں کا بدلہ

آپؐ نے صرف اپنے قرابتداروں سے محبت کی شکل میں طلب فرمایا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو خود سے، نبیؐ کے مطالبہ کے بارے میں سوچنا اور سوال کرنا چاہیئے کہ آپ کا اپنے قرابتداروں سے محبت کے سلسلہ میں تقاضا کہاں تک درست ہے؟
اس رسالت کی عظمت کی قسم یہ ناچیز اجر ہے جو آپؐ نے مانگا ہے۔ اگرچہ خدا کے نزدیک عظمت و مرتبہ میں بزرگ ہے لہٰذا ہم خدا سے اس بات کی توفیق چاہتے ہیں کہ اپنے عظیم راہنما کے اجر کو ادا کرسکیں۔ خدا ہم کو ان دو گرانقدر چیزوں سے متمسک رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے جن کو رسولؐ نے چھوڑا ہے۔ خدا کا درود و سلام آپؐ پر اور آپؐ کے بعد تمام جانشینوں اور ائمہؑ پر نازل ہو۔

# تیسری فصل

## اسلام کو سہارا دینے والے اسباب

گذشتہ دو فصلوں میں ہم نے حضورؐ کی بعثت سے وفات تک اسلام کی پیدائش اور ارتقا کی کیفیت کو بیان کیا، یہی وہ زمانہ ہے جس میں آپؐ نے مجاہدت فرمائی اور انسان کو قعرِ ضلالت سے منارۂ ہدایت اور بدبختی سے نیک بختی کی جانب لانے میں کوئی لمحہ فرد گذاشت نہ فرمایا۔ بہر حال کچھ ایسے امور تھے جنہوں نے اسلام کو سہارا دے کر بلند کیا لہٰذا مناسب ہے کہ ہم ان کے لئے مستقل فصل منعقد کریں۔ ہم نے گذشتہ مطالب کے دوران ان میں سے بعض امور کی جانب اشارہ بھی کر دیا ہے لیکن چونکہ ہم نے اس فصل کو ان امور کے لئے منعقد کیا ہے لہٰذا گذشتہ مطالب کی واضح الفاظ میں تکرار میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ اس فصل میں ان کا تذکرہ زیادہ مناسب ہے۔

### حضورؐ کے بیت الشرف کی فضیلت:

عرب کے لوگ غیرت دار اور شان و شوکت کے مالک تھے اسی لئے ہر قبیلہ کی مستقل قیادت اور سرداری تھی جو دوسرے راہنما کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کرتی تھی جس طرح کہ وہ اس کے آگے نہیں جھکتی تھی جو خود قبیلہ کی سربراہی کرنا چاہتا تھا جب تک کہ اس میں پختہ ہنر اور صلاحیت و لیاقت نہ ہو اسی غیرت اور

شان و شوکت کی وجہ سے وہ اسلام کے آنے سے قبل پراگندہ تھے۔ جزیرۃ العرب کا کوئی سربراہ نہیں تھا بلکہ حجاز بھی کسی ایک شخص کا تابع نہیں تھا، حجاز کا دارالحکومت مکہ بھی کسی ایک ایسے شخص کی ماتحتی میں نہیں تھا جس کی باتوں کو وہ مِن وعَن مانتے ہوں البتہ فقط ہاشم اور اولاد ہاشم نے مکہ کی سرداری حاصل کرر کھی تھی۔

مکہ کی سرداری میں ہاشمؑ کا کوئی ثانی نہیں تھا حالانکہ قریش میں آپؑ سے زیادہ معمر اشخاص موجود تھے آپؑ کو قریش کی سرداری صرف ان خصوصیات کی بنا پر ملی جو آپؑ میں موجود تھیں اور جن کی بنا پر آپ کو دوسروں پر فوقیت حاصل تھی حالانکہ آپؑ کے بھائی موجود تھے لیکن قریش نے طے کیا کہ آپ کے والد کے بعد حجاج کرام کو سیراب کرنے اور سربراہی کا عہدہ آپ کو دیں یہ دونوں عہدے آپ کے والد گرامی کے پاس تھے، جن کو انھوں نے بخوبی نبھایا تھا۔

ہاشمؑ ہی نے قریش کے لئے دو سفروں کی بنیاد ڈالی سردیوں میں یمن کا سفر اور گرمیوں میں شام کا سفر۔ یہ دونوں سفر آپؑ نے اس لئے رائج کئے تا کہ تجارت کی وجہ سے قریش کی حالت بہتر ہو جائے اور وہ حجاج کو کھانا کھلانے کے قابل ہو جائیں آپؑ ہی نے قریش کو حجاج کو کھلانے کا شوق دلایا اور خود کھانا کھلانے میں پیش پیش رہے یہاں تک کہ سوار افراد نے آپ کی سخاوت کا قصیدہ پڑھا نیز یہاں تک کہ آپ کی شان میں یہ شعر کہا گیا:

عَمْرُو الْعُلیٰ هَشَمَ الثَّرِيْدَ لِقَوْمِهٖ     وَرِجَالُ مَكَّةَ مُسْنِتُوْنَ عِجَافُ

یعنی ''بزرگوار عمرو نے اس وقت روٹی کے چھوٹے ٹکڑے کر کے شوربہ میں ڈالے جب مکہ کے لوگ قحط میں مبتلا تھے اور سوکھ کر کمزور ہو گئے تھے۔'' یہ آپؒ کا مشہور شعر ہے۔ چنانچہ آپؒ کا یہ لقب ''ہاشم'' آپ کے نام ''عمرو'' پر غالب آگیا اور اسی سخاوت کے نتیجے میں آپؒ صرف اسی لقب کے ذریعہ پہچانے جانے لگے۔



آپؒ کے فرزند عبد المطلبؒ نے اپنے باپ ہاشم کی رکھی ہوئی بنیاد کو اور مضبوطی عطا کی اور ان فضائل و مکارم میں اضافہ کیا۔ جناب عبد المطلبؒ نے آبِ زمزم کو زمین سے برآمد کیا اور یہ کرامت ہمیشہ کے لئے آپ سے منسوب ہو گئی جبکہ آپؒ سے پہلے کوئی قریش ایسا نہیں کر پایا تھا اسی بنا پر قریش کے لوگ آپؒ سے جل اٹھے اور آپؒ سے اس عمل میں شریک ہونے کا مطالبہ کیا لیکن آپؒ نے انکار کر دیا تو انھوں نے بنی سعد کی ایک کاہن عورت کے پاس آپ کو لے جا کر فیصلہ کرانا چاہا آپ راستے ہی میں تھے کہ آپؒ کو اور آپؒ کے ہمراہ افراد کو پیاس لگی لیکن پانی ہونے کے باوجود قریش نے آپ کو پانی نہ دیا جب آپؒ کو اور آپؒ کے ہمراہ افراد پر پیاس کا زیادہ غلبہ ہوا تو پانی کی جستجو میں آپؒ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے جب وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو اس کے سُم کے نیچے سے میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہوا چنانچہ آپؒ سیراب ہوئے اور اپنی قوم قریش کو بھی سیراب ہونے کی اجازت دی جبکہ وہ آپؒ کو پانی پلانے سے منع کر چکے تھے یہی آپؒ کی اور ان کی نفسیات کا فرق تھا جس کی بنا پر انھوں نے آپؒ کو کاہنہ کے

پاس لے جانے سے گریز کیا۔

عبدالمطلبؑ ہی تھے جنہوں نے ابرہہ کو ڈرایا جو ہاتھیوں پر سوار ایک عظیم لشکر کے ساتھ خانہ کعبہ کو مسمار کرنے آیا تھا اس کے لشکر کا وہی حشر ہوا جس کی خبر عبدالمطلبؑ نے دی تھی اور اس کو قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے۔

قریش میں عبدالمطلبؑ کے عظیم المرتبت ہونے کا یہ حال تھا کہ خانہ کعبہ کے پاس آپؑ کے لئے بستر بچھایا جاتا تھا جس پر آپ کے ساتھ صرف رسول اکرمؐ ہی بیٹھتے تھے جو کہ صرف چند برس کے تھے۔[۱]

حضورؐ کے والد بزرگوار عبداللہؑ اپنے والد گرامی کی زندگی میں ہی عین عالم جوانی میں انتقال فرما گئے پھر بھی عزت وشرف میں آپ کا شہرہ تھا۔

سرکار رسالتمآبؐ کے تمام چچاؤں کو ہر خوبی میں سبقت حاصل تھی عظیم المرتبت ہونے میں جناب ابو طالبؑ کو ہی لے لیجئے جو اپنے والد گرامی کے بعد سردارِ مکہ قرار پائے تھے آپ کی بزرگواری کا ایک نمونہ یہ ہے کہ آپؑ نے اپنے بھتیجے رسول گرامیؐ کو قریش کے شیطانوں سے بچایا اور اسلام کو آپؑ کے ذریعہ عزت ملی اسی لئے آپؑ اسلام کے مضبوط رکن تھے جب تک آپؑ زندہ تھے رسول گرامیؐ کی جان کو کوئی خطرہ نہیں تھا اور آپؑ جدّیت کے ساتھ کار رسالت میں مشغول تھے۔

کافر ہونے کے باوجود ابولہب بنی ہاشم کے سرداروں اور قریش کے

---

[۱] ہاشم اور عبدالمطلبؑ کے بہت سے خصوصیات ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد سوم صفحہ ۴۵۷ اور ۴۶۵ پر ذکر کئے ہیں۔

سربراہوں میں سے تھا۔ زبیر ہر خوبی میں پیش پیش رہتے تھے ہر مشکل کو حل کرتے تھے مظلوم کی مدد اور ظالم سے بدلہ لینے کے لئے آپ ہی نے ''حلیف الفضول'' نامی معاہدہ کو وجود بخشا تھا جناب عباس کا شرف و فضیلت کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں اور جناب حمزہؓ کی ہیبت و رعب و جلال قابل انکار نہیں ہے گویا رسول اکرمؐ ایسے گھرانے میں پروان چڑھے جس میں قدیم ایام سے بڑی بڑی فضیلت و مناقب کے ستارے موجود تھے۔

الغرض حضورؐ کے بیت الشرف کی خصوصیت ان ستونوں میں سے ہے جن پر اسلام کی بنیاد قائم ہے اور ایسی سپر ہے جو آپؐ پر ظلم و زیادتی کئے جانے سے مانع ہوئی ہے۔

کیا آپ نے اس قول خداوندی پر غور نہیں کیا جو قومِ لوطؑ کا زبان حال ہے: ''وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ...''(۱)

''اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تم کو (کب کا) سنگسار کر چکے ہوتے۔

اگر آپ کے گھرانے کا شرف اور آپ کے مددگار اور حامی چچا ابوطالبؑ کا شرف نہ ہوتا تو بھلا قریش آپ کو قتل کرنے کے لئے نئے نئے طریقے کیوں اپناتی اور ایک طویل مدت تک کیوں صبر کرتی جب کہ آپؐ نے ان کو غضبناک کر دیا تھا، ان کے خداؤں کو برا بھلا کہا تھا اور ان کے جوانوں کو (ان کی نظر میں)

---

(۱) سورۂ ہود آیت ۹۱

خراب کر ڈالا تھا؟

قبیلہ میں اس شرف اور خاندان میں اس عزت کے باوجود حضورؐ کو ان کی تکذیب اور ایذا رسائی کا سامنا کرنا پڑا اس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ وہ لوگ بنی ہاشم کے خلاف ہم پیمان ہوئے اور ان کو شعب ابیطالبؑ میں مقید کر دیا تو اگر آپؐ کو قبیلہ کا وہ شرف حاصل نہ ہوتا تو اتنی مدت تک قریش آپؐ پر رحم نہ کھاتے بلکہ اگر آپؐ بنی ہاشم میں سے نہ ہوتے یا بنی ہاشم کو اگر یہ منزلت حاصل نہ ہوتی آپؐ کس طرح یہ نہضت برپا کر سکتے تھے اور کھلم کھلا ایسی بات کہہ سکتے تھے جو قریش کو بری لگتی ہو؟

## خود نبیؐ کا شرف:

حضور اکرمؐ صفات حمیدہ و اخلاق جمیلہ کا نمونہ تھے انہیں صفات نے افرادِ قریش پر آپ کو برتری بخشی اسی لئے آپ کی ذات گرامی کا شرف آپ کے اخلاق حسنہ کی وجہ سے قائم تھا اور ابو طالبؑ آپ کے سرپرست اور مربی تھے جو باپ کی حیثیت سے تھے باپ کے لئے بیٹے کی حد درجہ تعریف کرنا اسی وقت سزاوار ہوتا ہے جب وہ عظیم اخلاق وصفات کا مالک ہو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہو کیونکہ باپ، اپنے بیٹے میں موجود صفات سے بڑھ کر اس کی تعریف نہیں کر سکتا اگر وہ ایسا کرے تو یہ باپ اور بیٹے دونوں میں نقص ہوگا جبکہ نبی کی جناب خدیجہ سے شادی کے وقت کہ جب قبیلۂ بنی ہاشم اور بنی اسد جمع ہوئے تھے اس وقت حضورؐ کی توصیف میں جناب ابو طالبؑ نے کہا تھا: "میرے بھتیجے محمد بن

عبداللہ بن عبدالمطلبؑ کا کسی قریشی شخص سے مقایسہ نہیں کیا جا سکتا اور ان کا جس سے بھی مقایسہ کیا جائے اس سے آپ بہتر ہی ہوں گے۔''

اگر آپؐ قریش کے نزدیک اس مرتبہ کے حامل نہ ہوتے تو ابو طالبؑ آپ کی توصیف میں اس طرح لب کشائی نہ کرتے اور جناب خدیجہ کے چچا زاد بھائی ورقہؓ بن نوفل اور آپ کے چچا آپ کے خطبہ عقد میں آپ کی بات کی تصدیق نہ کرتے اور آپؐ پر ایمان نہ لاتے۔ اگر رسول گرامیؐ مرتبہ میں اس سے کم ہوتے تو، ابو طالبؑ کے، بنی ہاشم کے ایک بچہ کو تمام قریش سے برتر قرار دینے کے سبب، قریش آگ بگولہ ہو جاتے لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ خدا بغیر کسی اختلاف کے، قریش کے نزدیک برگزیدہ و ممتاز تھے۔ اسی لئے وہ آپ کو صادق و امین کہہ کر پکارتے تھے یہاں تک کہ یہ آپ کا طرۂ امتیاز تھی۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ آپ کے فیصلہ پر رضامند نہ ہوتے جبکہ انھوں نے آپ کو حجر اسود، نصب کرنے کے لئے حَکَم قرار دیا تھا اس وقت کہ جب منہدم ہونے کی وجہ سے انھوں نے خانۂ کعبہ کی تعمیر نو کی اور حجر اسود کو نصب کرنے کے لئے قبائل میں اختلاف ہو گیا تھا۔ جب وہ آپؐ کے عمل پر راضی ہو گئے تو آپؐ نے اپنی ردا کو پھیلا کر اس میں حجر اسود کو رکھا اور فرمایا: ''ہر قبیلہ کا ایک شخص ردا کے ایک کنارے کو اٹھائے۔'' جب انھوں نے اس کو اٹھا کر اس کی جگہ پہونچا دیا تو خود آپؐ نے اس کو اپنے دست مبارک سے پکڑ کر اٹھایا اور اس کی جگہ نصب فرما دیا۔ آپ کا یہ عمل اور فیصلہ ان کو پسند آیا اور وہ آپس میں لڑنے سے

بازرہے۔

آپ کا ان کے نزدیک یہ مقام کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ اس سردار مکہ کے فرزند تھے جو فخر وشرف کی بلندیوں پر فائز تھا؟ اور آپ ان کے نزدیک اس مرتبہ کے حامل کیونکر نہ ہوتے جب کہ آپ نبوت سے پہلے (جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں ذکر کیا) ہے۔ اپنی قوم میں سب سے زیادہ بامروت، سب سے زیادہ با اخلاق، سب سے زیادہ ملنسار، سب سے خوش کلام، سب سے زیادہ بردبار اور امین، سب سے زیادہ سچے اور گالی گلوج اور اذیت و آزار سے پاک و پاکیزہ تھے۔ آپ کو کبھی کسی سے جھگڑا کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا تھا؟ جس طرح کہ اس بات کا تذکرہ مولائے کائنات نے نہج البلاغہ میں یوں فرمایا ہے: "خَيْرُ الْبَرِيَّةِ طِفْلاً، وَأَنْجَبُهَا كَهْلاً، أَطْهَرُ الْمُطَهَّرِيْنَ شِيْمَةً، وَأَجْوَدُ الْمُسْتَمْطَرِيْنَ دِيْمَةً" (نہج البلاغہ، طبع صبحی صالح، ص ۱۰۵)

"آنحضرتؐ، بچپنے میں بہترین مخلوق اور سن رسیدہ ہونے پر اشرف کائنات تھے، عادات کے لحاظ سے تمام پاکیزہ افراد سے زیادہ پاکیزہ اور باران رحمت کے اعتبار سے ہر سحاب رحمت سے زیادہ کریم وجواد تھے۔"

جس کے افعال وصفات یہ ہوں وہ کیونکر شریف النفس، شریف القوم لوگوں میں باشرف اور سب سے زیادہ عظیم شان وشوکت والا نہ ہوگا؟ قریش کی نظر میں یہی آپ کی ذاتی شرافت وعظمت، آپ کو زیادہ ستائے جانے سے مانع اور آپ کی دعوت قبول کئے جانے کے سلسلہ میں معاون تھی اور اگر رسول اکرمؐ

کی یہ ذاتی شرافت نہ ہوتی تو آپ کی دعوت بہت جلد ٹھکرا دی جاتی ۔ جب اس رفیع منزلت کے باوجود آپ نے اپنی قوم کی ایذا رسانیوں کو اتنا برداشت کیا ہے اگر آپ کی یہ عزت وشان نہ ہوتی تو کیا ہوتا؟

## آنحضرتؐ کی عام معافی:

بدرفتاری کو معاف کرنا محبت حاصل کرنے ،اور بدرفتاری میں تکرار ورکاوٹ کا سبب ہے۔ رسول اکرمؐ جس انداز میں معافیاں فرماتے تھے وہ سب کو معلوم ہے۔ چنانچہ قریش جتنا زیادہ آپ کو ستاتے تھے اور جتنی زیادہ آپؐ پر زیادتیاں کرتے تھے اتنا ہی زیادہ آپؐ بردباری سے پیش آتے تھے اور نہ جانے کتنی بار آپؐ ان سے بدلہ لینے پر قادر ہوئے پھر بھی آپؐ درگذر فرمادیا کرتے تھے۔

اس سلسلہ میں نمونے کے طور پر فتح مکہ کا دن کافی ہے ان کو آپ کا ذاتی کرم اور بہترین انداز میں معاف کرنا، اس روز اچھی طرح آشکار ہوگیا تھا آپ قریش کی گردنوں اور اموال کے مالک ہوگئے تھے اور ان کے سلسلہ میں آپ کو اختیار تھا کہ جو چاہیں کریں لیکن آپؐ نے بزرگواری کا ثبوت دے کر ان کو معاف فرمادیا تھا۔

اس سلسلہ میں ایک اور نمونہ کے طور پر آپ کا ہوازن کو محترم سمجھنا کافی ہے کہ آپؐ نے ان کے فرزند اور ناموس کو انہیں واپس کردیا تھا جبکہ ہوازن ہی نے بلاوجہ آپؐ سے جنگ کرکے سرکشی کی تھی لیکن آپؐ سعادت واصلاح کرنے والے رسول تھے اسلئے آپ نے انہیں معاف کردیا تھا الغرض آپؐ کے درگذر

کرنے کے موارد نا قابل شمار ہیں۔

لہٰذا آپ کا درگذر فرمانا آپ کی دعوت کی کامیابی کی بنیاد تھا کیونکہ بدرفتاری کرنے والا شخص اسلام میں داخل ہونے کے بعد، اپنی بدرفتاری کی تکرار اور اپنے جرم میں اضافہ سے گریز کرتا تھا لہٰذا جرائم کی معافی، لوگوں کو اس دعوت کو قبول کرنے کے سلسلہ میں شوق دلاتی تھی اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اسلام، پہلے جرائم کو ختم نہیں کرتا ہے تو وہ کفر وانکار اور جنگ پر اصرار کرتے۔

## آپ کا جود و کرم:

عطا و بخشش انسان کو لوگوں میں ہر دل عزیز کر دیتی ہے، ان کے نزدیک اس کے مرتبے کو بلند کرتی ہے اور ان کے حسد کو اس سے دور کر دیتی ہے۔ نبیؐ کا جود و کرم آپؐ کی ایسی مشہور صفات میں سے ہے جس میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں۔

آپؐ کی اس عظیم جود و سخاوت کے سلسلہ میں ارشادِ خداوندی ہے:

"وَلَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْھَا کُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا" (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۹) یعنی "خبردار! نہ اپنے ہاتھوں کو گردنوں سے بندھا ہوا قرار دو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ بالکل کھول دو (کہ سب کچھ دے ڈالو) کہ آخر میں قابل ملامت اور خالی ہاتھ بیٹھے رہ جاؤ۔"

آپؐ کے پاس جو کچھ تھا وہ آپؐ نے ایک شب میں راہ خدا میں دے

دیا تھا جس کی وجہ سے سائل نے جب آپؐ سے سوال کیا اور آپ کے پاس کچھ نہ پایا تو اس نے آپؐ کو جھڑکا۔

آپؐ کی سیرت واخلاق کے سلسلہ میں لکھنے والوں نے آپ کی اس طرح توصیف کی ہے کہ آپؐ سب سے زیادہ سخی تھے اور یہ کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپؐ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپؐ نے منع کر دیا ہو بہت سی ایسی تعبیریں ہیں جن سے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ آپؐ دنیا میں سب سے زیادہ کشادہ ہاتھ اور سخی انسان تھے اس سلسلہ میں نبیؐ کی توصیف میں مولائے کائناتؑ کا ارشاد: "وَاَجْوَدُ الْمُسْتَطِيْرِيْنَ دِيْمَةً" (آپؐ بارانِ رحمت کے اعتبار سے ہر سحاب رحمت سے زیادہ کریم وجواد تھے) کافی ہے۔

آپ کی سخاوت وبخششوں کے واقعات لوگوں نے بہت سنے ہیں اور اس سلسلہ میں کتابیں بھی بہت لکھی گئی ہیں۔آپ جانتے ہی ہیں کہ سخاوت کا اثر قبول دعوت کے سلسلہ میں بڑا معاون ثابت ہوتا ہے اور سنگدلی کم ہو جاتی ہے کیونکہ سخاوت کے ذریعہ دوستوں میں اضافہ ہوتا ہے اور دشمنوں کی تعداد گھٹتی ہے۔

## آپؐ کا اخلاق حسنہ:

اچھا اخلاق وہ کام کر دیتا ہے جو مال نہیں کر پاتا کیونکہ مال اس طرح قلوب کا مالک نہیں بن سکتا جس طرح اچھا اخلاق بنتا ہے اسی لئے نبی اکرمؐ فرمایا کرتے تھے: انکم لا تسعون الناس باموالکم فسعوهم باخلاقکم "تم اپنے مال کے ذریعہ لوگوں کو خوش نہیں کر سکتے تو اپنے اخلاق کے ذریعہ ان

کوخوش کرو۔'' آپؐ میں ایک اچھی صفت یہ تھی کہ آپؐ ہر شخص کی دعوت قبول کر لیتے تھے وہ چاہے آزاد ہو یا غلام ہو باشرف ہو یا کم حیثیت کا مالک ہو آپ ہی فرماتے تھے ''لو دعانی کراع علیٰ کراع الیٰ کراع لاجبته''



اگر گدھے خچر پر سوار معمولی حیثیت کا انسان بھی مجھ سے راستے کے کنارے چلنے کے لئے کہے تو میں اس کی بات قبول کرلوں گا۔'' آپ کے پاس جو بھی کوئی حاجت لے کر آتا تھا آپ اس کی حاجت پورا کرنے میں چپٹ جاتے تھے۔ آپؐ عذر خواہی کرنے والے کے عذر کو قبول کر لیتے تھے آپؐ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معاف اور درگذر فرمادیتے تھے، آپؐ سلام کرنے میں پہل کرتے تھے...وغیرہ آپؐ کی اچھی صفات میں سے ہیں۔ ہم ان میں سے کچھ کی طرف عنقریب اشارہ کریں گے۔

آپؐ کے عظیم اخلاق کا نمونہ بس یہی ہے کہ آپؐ کا اپنے اعدا کی باتوں کو برداشت کرنا تو معمولی بات تھی بلکہ آپؐ اپنے اصحاب کی ایسی ایسی باتیں برداشت کر جاتے تھے جو دوسرا برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ منجملہ ان کے وہ آپ کی بات کو کبھی رد کرتے تھے، کبھی تنقید کرتے تھے اور کبھی آپؐ سے ناراض ہو جاتے تھے کہ گویا ان کی نظر میں آپؐ وحی الٰہی پر عمل کرنے والے نبیؐ ہی نہیں تھے۔ ''اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی'' (سورۂ نجم آیت ۴، ۵،) یعنی ''یہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے ان کو نہایت طاقتور (فرشتہ جبریلؑ) نے تعلیم دی ہے۔'' آپ لوگوں کے سامنے ہمیشہ اچھی

اچھی باتیں کیا کرتے تھے اور کبھی عفو و درگذر بھی فرما دیتے تھے۔ اسی لئے خدا وند جلیل نے اس صفت کریمہ کی بنا پر آپ کی یوں مدح فرمائی ہے: ''وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' (سورۂ قلم آیت ۴) ''بے شک تمہارے اخلاق بڑے اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ چنانچہ یہ عظیم اخلاق اسلام کا ستون تھا۔

## آپ کا شیریں بیان اور فصیح اللسان ہونا:

آپؐ کی طرۂ امتیاز صفات میں سے ایک صفت حلاوت کلام اور بلاغت بیان تھی یہاں تک کہ آپؐ کی توصیف میں امّ معبد نے کہا ہے: ''لگتا تھا کہ آپؐ کی گفتگو پروئے ہوئے موتی ہیں جو نیچے اتر رہے ہوں'' ام معبد ہی نے کہا ہے: ''شیریں کلام ایسا قول حق ہے جس میں باطل کا شائبہ نہیں یہ نہ بے حیثیت کلام ہوتا ہے اور نہ بکواس۔'' یہاں تک کہ آپؐ کے بارے میں آپؐ کے دست پرورده فرزند خدیجہؑ ہند بن ابی ہالہ نے کہا ہے: ''آپؐ ایسی جامع و مانع گفتگو فرماتے تھے جس کے الفاظ کم ہوتے تھے مگر مطلب زیادہ ہوتا تھا۔ آپ کا کلام قول حق ہوتا تھا جس میں باطل کا شائبہ نہیں تھا۔ آپؐ کے کلام میں بے جا الفاظ اور کوئی نقص نہیں ہوتا تھا۔ ان تمام باتوں کے بجائے اس سلسلہ میں خود آپؐ کا یہ ارشاد کافی ہے: ''اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ'' یعنی ''مجھ کو (خدا کی جانب سے) ایسا کلام عطا کیا گیا ہے جس کے الفاظ کم ہیں مگر مطالب زیادہ ہیں۔ خوش کلامی اور بلاغت، عقول کو مسحور کر دیتی ہے قلوب و ارواح کے لئے مقناطیس ہے۔ چنانچہ وہ فصاحت طور یہ شیرینی کلام اس بات کا ذریعہ تھی

کہ آپ گا کلام قلوب کے پردوں کو پارہ کردے۔ آپ گا کلام تیزی کے ساتھ دلوں تک پہونچ سکے اور آپ کی دعوت تبلیغ کامیاب ہو سکے بشرطیکہ گوش دل آپؐ کے کلام کی طرف توجہ کریں۔ کیونکہ آپ کی دعوت کا صرف یہ مقصد تھا کہ قلوب آپ کی گفتار پر متاثر و متوجہ ہوں۔



## آپؐ کے مکارم اخلاق:

حضرت محمد مصطفےٰؐ کا تمام انسانوں سے طرۂ امتیاز آپ کے اخلاق و آداب تھے اگر ہم ان اخلاق و آداب کو ذکر کرنا چاہیں تو ہمیں اختصار کا دامن چھوڑ کر تفصیل کا سہارا لینا پڑے گا البتہ ہم بغیر کسی تبصرہ کے، آپ کے اخلاق و آداب میں سے کچھ موتی ضرور چننا چاہیں گے۔

اربابِ سیرت و تاریخ و حدیث نے آپ کی توصیف میں بیان کیا ہے کہ آپؐ زمین پر بیٹھتے تھے، زمین ہی پر سوتے تھے، اپنی جوتی خود ٹانکتے تھے، اپنے لباس میں پیوند لگاتے تھے، کسی کے چہرے پر اپنی نظریں نہیں جماتے تھے، جنازوں کی تشیع فرماتے تھے، بیماروں کی عیادت فرماتے تھے، چاہے شہر کے دور ترین سرے میں ہی جانا پڑے، فقرا کے ساتھ بیٹھتے تھے، مسکینوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، ان کو اپنے دستِ مبارک سے کھانا کھلاتے تھے، اخلاق میں اہل فضل کا اکرام فرماتے تھے، اہل شر کے ساتھ نیکی کر کے محبت کا بیج بوتے تھے، رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحم فرماتے تھے بغیر اس کے کہ ان کو دوسروں پر ترجیح دیں البتہ اس سلسلہ میں حکم خدا ہوتا تو دوسری بات

تھی، آپؑ کسی پر جفا نہیں کرتے تھے، عذر خواہی کرنے والے کا عذر قبول فرما لیتے تھے، خوراک و پوشاک میں خود کو اپنے غلاموں اور کنیزوں سے اونچا نہیں سمجھتے تھے، آپؑ نے کسی کو گالی نہیں دی، آپؑ کے پاس جو شخص بھی اپنی حاجت لے کر آتا چاہے وہ آزاد ہو یا غلام یا کنیز آپؑ اس کی ضرورت پوری کرتے تھے، جب کسی مسلمان سے ملتے تو پہلے مصافحہ فرماتے تھے، اگر آپؑ سے کوئی مصافحہ کرتا تو آپؑ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نہیں ہٹاتے تھے یہاں تک کہ وہ شخص ہی ہاتھ ہٹاتا تھا، اپنے چہرے کا رخ نہیں بدلتے تھے یہاں تک کہ سامنے والا اپنے چہرے کا رخ دوسری طرف نہ کر لے، آپؑ اگر نماز میں مصروف ہوتے اور کوئی آکر بیٹھ جاتا تو آپؑ نماز فوراً ختم کر دیتے پھر اس کی طرف رخ کر کے دریافت فرماتے کہ تم کو مجھ سے کوئی کام ہے؟ آپؑ مجلس کے آخر میں بیٹھتے اور یہی دوسروں کو حکم دیتے، اپنے پاس آنے والے کا احترام کرتے یہاں تک کہ کبھی اس کے لئے اپنی ردا بھی بچھا دیتے، اور کبھی وہ تکیہ پیش کر دیتے جس سے آپ ٹیک لگاتے تھے، آپؑ غصہ اور خوشنودی کے عالم میں فقط حق بات کہتے تھے، اپنی ذات کی خاطر کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے البتہ اگر حرمتِ خدا پامال ہو رہی ہوتی تو ضرور انتقام لیتے، کبھی اپنے ہاتھ سے کسی چیز کو نہیں مارتے تھے مگر خدا کی خوشنودی کے لئے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپؑ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپؑ نے انکار کر دیا ہو البتہ معصیت کے سلسلہ میں سوال کیا تو ضرور ٹھکرا دیا ہے، حد شرعی کے سوا ہر لغزش کو معاف

فرمادیتے تھے سائل کو اپنے ہاتھ سے دیتے تھے، آپ کو سب سے زیادہ نفرت جھوٹ سے تھی، آپ فرماتے تھے جو مجھ تک اپنی حاجت نہیں پہونچا سکتا اس کی حاجت مجھ تک پہونچاؤ، بیجا کلام نہیں کرتے تھے، لوگوں سے مہر محبت سے پیش آتے تھے، ان سے خود جدا نہیں ہوتے تھے، ہر قوم کے محترم شخص کا احترام فرماتے تھے اور اس کو ان کا حاکم قرار دیتے تھے، لوگوں سے ہوشیار رہتے تھے



البتہ ان سے خوش روئی اور اچھے اخلاق سے پیش آتے تھے، لوگوں سے احوال پرسی فرماتے تھے، اچھے کام کی اچھائی بیان فرماتے تھے اور اس کی تائید فرماتے تھے، برے کام کی برائی بیان فرماتے تھے اور اس کو دور کرتے تھے، آپؐ کے نزدیک سب سے افضل وہ ہوتا تھا جو سب کی خیر خواہی کرتا تھا، سب سے زیادہ باعظمت آپ کی نگاہ میں وہ ہوتا تھا جو لوگوں کی مدد کرتا تھا اور دوسروں کا ہاتھ بٹاتا تھا، اپنے ساتھیوں میں سے ہر ایک کو اس کا حق دیتے تھے تاکہ کوئی یہ نہ خیال کرے کہ دوسرا آپ کی نگاہ میں اس سے زیادہ محترم ہے، آپؐ تمام لوگوں سے اس طرح اخلاق سے پیش آتے تھے گویا آپؐ ان کے باپ ہوں اور وہ حق میں آپ کے نزدیک برابر ہو گئے ہوں، آپ کی مجلس حلم، حیا، صبر اور امانت کی مجلس ہوتی تھی، اس میں صدائیں بلند نہیں ہوتی تھیں اور حرمتوں کا تذکرہ برائی کے ساتھ نہیں ہوتا تھا، اس مجلس میں ہونے والی کلامی لغزشیں نشر نہیں کی جاتی تھیں، اس مجلس میں بزرگ کی توقیر اور چھوٹے پر رحم کیا جاتا تھا، آپؐ حاجتمند کو ترجیح دیتے تھے، پردیسی کا خیال رکھتے تھے، ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے

تھے، نرم خو تھے، بات مان لینے والے تھے، سخت کلام نہ تھے، چیخنے والے نہ تھے، گالی نہیں بکتے تھے، عیب جوئی نہیں فرماتے تھے، جھگڑا نہیں کرتے تھے، زیادہ بولنے اور بے مقصد باتوں سے بچتے تھے، کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے، کسی کی برائی نہیں بیان کرتے تھے، کسی کا نقص نہیں تلاش کرتے تھے، نا آشنا شخص اگر کلام اور سوال کرنے میں آپؐ پر جفا کرتا تھا تو آپؐ صبر فرماتے تھے، کسی کے کلام کو قطع نہیں فرماتے تھے، اپنے اصحاب کی مزاج پرسی فرماتے تھے اگر ان میں سے کوئی غیر حاضر ہوتا تو اس کے حق میں دعا فرماتے، اگر موجود ہوتا تو اس سے ملنے جاتے، اگر بیمار ہوتا تو اس کی عیادت فرماتے، اگر کوئی آپؐ کے کان میں بات کرتا تو اس وقت تک آپؐ اس کی بات توجہ سے سنتے رہتے جب تک وہ بات پوری نہ کرتا اور چلا نہ جاتا، آپؐ کا حلم آپؐ کے غضب کے آگے آگے رہتا، آپؐ سے لوگ جتنی زیادہ نادانی سے پیش آتے اتنا ہی آپؐ بردباری سے پیش آتے، آپؐ کا اخلاق سب سے اچھا تھا، آپؐ اکثر مسکراتے رہتے تھے، آپؐ کا حلم بہت زیادہ تھا، آپؐ بہت زیادہ درگذر فرماتے تھے، آپؐ کی قلبی وسعت وشجاعت بہت زیادہ تھی، آپؐ بہت زیادہ باحیا تھے، بہت زیادہ کشادہ صدر کے مالک تھے، بہت زیادہ سمجھدار تھے، سب سے اچھے صاحب نظریہ تھے، چلنے والی ہوا سے زیادہ نیک کام میں سخاوت فرماتے تھے، معاملات میں اپنے اصحاب سے مشورہ فرماتے تھے، کسی سے ناپسند بات نہیں کرتے تھے، اگر کسی شخص کے سلسلہ میں معلوم ہو جاتا کہ اس نے آپؐ کو نازیبا بات کہی ہے تو

آپؐ یہ نہ فرماتے: فلاں شخص ایسا کیوں کہتا ہے یا ایسا کیوں کرتا ہے بلکہ فرماتے: لوگ ایسا کیوں کہتے یا کرتے ہیں، آپ کو آپ کے اصحاب یا اہلبیتؑ میں سے جو بھی پکارتا آپؐ لبیک (حاضر ہوں) کہتے۔ اپنے اصحاب سے گھل مل جاتے، ان کے بچوں کے ساتھ کھیلتے، ان کو اپنی آغوش میں بٹھاتے، آزاد، غلام، کنیز اور مسکین کی دعوت قبول فرماتے، آپ کو جو بھی بلاتا قبول فرما لیتے، اصحاب کے درمیان کبھی آپ کو پیر پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا گیا، مخلوق خدا پر بہت زیادہ شفیق، مہربان اور رحم دل تھے، سب سے زیادہ صلۂ رحم فرماتے تھے،



وعدے اور عہد و پیمان کے پکے تھے، لوگوں کی ایذا رسانیوں پر بہت زیادہ صبر فرما تھے، جو آپؐ سے گفتگو کرتا اس کو اچھی طرح سنتے، بات کرنے والے سے اپنا رخ نہیں موڑتے تھے، آپؐ گفتگو کرنے والے کی گفتگو کو صرف غور سے سنتے ہی نہیں تھے بلکہ پورے وجود کے ذریعہ اس کی طرف متوجہ ہوتے تھے، زیادہ تر خاموش رہتے تھے، سنجیدگی سے گفتگو فرماتے۔(۱)

یہ سردارِ انبیاء حضرت محمد مصطفیؐ کے اخلاق کریمہ اور آداب فاضلہ کے کچھ جواہر پارے ہیں، جو بیان کئے گئے ہیں، اور ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ آپ کی کچھ خصوصی صفات ہوں کیونکہ جو بار رسالت کو برداشت کر رہا ہو اس کو تمام خصوصیات کے لحاظ سے تمام جہان سے ممتاز ہونا چاہئے اور یہ عجیب و غریب

---

(۱) اعیان الشیعہ۔ج۲۔ص۱۹۶

بات نہیں کہ اس اخلاق ومحاسن کا اسلام کے رشد ونمو میں ایک اچھا تاثر قائم ہوا ہے بلکہ تعجب اس بات پر ہونا چاہیے کہ مسلمان ان سے متاثر کیوں نہ ہوئے اور صدرِ اسلام سے آج تک مسلمانوں نے آپ کی روش کو کیوں نہیں اپنایا ہے۔

## شریعت اسلامیہ کی خوبیاں:

منجملہ ان امور کے جن کی وجہ سے اسلام مراحل ترقی کو طے کر کے کم مدت میں مختلف ممالک میں تیزی سے پھیلتا گیا ہے، وہ اس شریعت کی خوبیاں ہیں جس کو پیغمبرؐ اسلام خدا کی جانب سے لائے اور بھلا وہ شریعت کیسی ہوگی جس کا جائے صدور، خدا اور بندوں کا پروردگار ہو جو ان امور کا جاننے والا ہو جن میں بندوں کی ترقی، صلاح، نفع اور نقصان مضمر ہو، ایسی شریعت جس کی تبلیغ ایک سچا اور امین پیغمبر کر رہا ہو جو ہر آلودگی سے دور اور ہر نقص سے مبرہ ہو، جو وحی کے بغیر کلام ہی نہ کرتا ہو؟

تمام خوبیوں کی حامل اس شریعت کو رسول اکرمؐ اس حال میں لائے کہ لوگ بہکے ہوئے تھے، غافل تھے ہلاک کرنے والے گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے، حرمتوں کو پامال کر چکے تھے، عمداً اور سہواً ہر برائی کا ارتکاب کر چکے تھے، از روئے علم وجہل ہر قبیح چیز کو اپنا چکے تھے، جن برائیوں میں وہ مبتلا تھے ان سے ان کو روکنے ٹوکنے والا نہ کوئی ان کے اپنے اندر موجود تھا اور نہ باہر سے کوئی تھا، وہ عقل کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے اور نشہ سے افاقہ نہیں پاتے تھے ورنہ کون صاحب بصیرت اور رشید شخص ہوگا جو اپنے ہاتھوں سے بے جان پتھر،

لکڑی یا معادن وغیرہ کا بت بنا کر اس کی عبادت کرے گا اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوگا، اس کے لئے قربانی کرے گا بلکہ اس سے حاجات طلب اور اس کے لئے نذر کرے گا۔



جبکہ انھوں نے بتوں کے لئے دربان اور خدمت گذار معین کرر کھے تھے؟! کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ انسان اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے مجسمہ کی تو پرستش کرے لیکن اس ذات کی عبادت نہ کرے جس نے خود اس کو اور اس کے مجسمہ کو پیدا کیا ہو؟!

وہاں کچھ ایسے بھی تھے جو آگ کی پرستش کرتے تھے جبکہ انھوں نے خود اس کو اپنے ہاتھوں سے روشن کیا تھا، کچھ ایسے تھے جو فرشتوں اور انسانوں کی پرستش کرتے تھے اور ان کی تعظیم کرتے تھے گویا انھوں نے ان مصنوع اشیاء اور ہر چیز کے خالق کی عبادت ترک کردی تھی۔

اور وہ خود پر ظلم کرنے اور نازیبا عمل کی اس حد پر نہیں ٹھہرے بلکہ اور خطرناک گہرے گڑھوں میں گرتے چلے گئے مثلاً انھوں نے شراب پی جبکہ وہ اس کو عقل زائل کرنے والی سمجھتے تھے۔ آپ اس شخص کے عمل کو کیسا پائیں گے جس کے پاس عقل نہ ہو جب کہ شراب ہر نازیبا عمل کا ذریعہ اور ہر برائی کے ارتکاب کا باعث ہوتی ہے۔

انھوں نے سود کھایا جبکہ یہ باطل طور پر مال کھانا ہے۔ مردوں اور عورتوں نے جانوروں کی طرح برہنہ طواف کیا۔ ان میں زنا عام ورائج تھا اور

وہ اس کو برا نہیں سمجھتے تھے اور پرچم دار [۱] زنا کار عورتوں کو منع نہیں کرتے تھے بلکہ جب ایسی عورتوں سے وجود میں آنے والے بچوں کا باپ ہونے کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے جھگڑا کرتے تھے تو جس سے وہ بچہ زیادہ مشابہ ہوتا تھا، اسی کو دلایا جاتا لڑکیوں کو زندہ درگور مباح سمجھ کر کرتے تھے تاکہ اپنے خیال میں ذلت کا گلا گھونٹ سکیں اور اولاد کا قتل ناداری کے خوف سے مباح سمجھتے تھے، لوٹ مار اور بے گناہ نفس کا قتل مال کے لالچ یا غصہ ٹھنڈا کرنے یا غلبہ پانے کے لئے جائز گردانتے تھے، ایسی بہت سی چیزوں کو انہوں نے مباح کر رکھا تھا جن کو قلم شمار نہیں کر سکتا۔

بہر حال وہ گہری نیند سوئے ہوئے تھے اور ان رزائل، برائیوں اور ان گناہوں کے ارتکاب پر قائم تھے کہ اتنے میں اصلاح کی خوشخبری دینے والے، سعادت کے رہنما، ان کی بزموں اور اجتماعوں میں فریاد کرنے والے رسولؐ کا ظہور ہوا۔ لیکن آپؐ نے کس چیز کے لئے انہیں پکارا؟

## آپؐ نے عبادت خدا کے لئے پکارا:

آپؐ نے ان کو ندا دی کہ اس ذات کی عبادت کی جانب آؤ جس نے تم کو عدم سے وجود بخشا، یہ مال اور یہ ذریعہ معاش عطا کیا، اپنی نعمتوں کے

---

[۱] زمانہ جاہلیت میں زنا کار عورتوں کی پہچان یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنے گھروں پر مخصوص پرچم نصب کر دیتی تھیں۔

ذریعہ، تمہاری زندگی کو پر کیف بنایا اور اس سے بھر پور لطف اٹھانے کا سلیقہ سکھایا، اس کی عبادت کرو وہ یکتا ہے عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:



"لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا" (سورۂ انبیاء آیت ۲۲) "اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا چند معبود ہوتے تو یہ زمین و آسمان کب کے برباد ہو گئے ہوتے۔"

ان معبودوں کو چھوڑ دو جن کی تم پرستش خدا کو چھوڑ کر کرتے ہو، جس چیز کو تم خود بناتے ہو اس کی پرستش کس طرح کرتے ہو؟ کیا ایک صاحب بصیرت اس چیز کی عبادت کرتا ہے جو نفع یا نقصان پہونچانے پر قادر نہ ہو؟ تم ان فرشتوں، انسانوں اور جانوروں کی کیونکر پرستش کرتے ہو جو تمہاری طرح مخلوق اور محتاج ہیں؟ یا کس طرح ستاروں کی پرستش کرتے ہو جبکہ وہ بغیر ارادہ و اختیار کے نکلتے اور ڈوبتے ہیں؟ کیا یہ خدا بہتر ہے جس کے اختیار میں ہر خشک و تر ہے یا وہ چیزیں جو نہ کسی چیز پر قادر ہیں اور نہ ہی ان کی کوئی حیثیت ہے؟ رسول اکرمؐ نے ان کو خدا کی عبادت اور ان بتوں کو چھوڑنے کی طرف جو دعوت دی ہے، وہ حکم عقل کی بنا پر دعوت دی ہے مگر انہوں نے آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور آپؐ کے نور سے کسب ضیا کے بجائے گمراہی کو ترجیح دی۔ اس کے بعد رسولؐ نے ان کو کس چیز کے لئے ندا دی؟

اپنی رسالت کی گواہی کے لئے پکارا:

خدا کی وحدانیت کی گواہی کے بعد نبیؐ نے ان کو اپنی رسالت کی گواہی

کی طرف دعوت دی اور اس پر دلیلیں اور معجزہ بھی پیش فرمایا۔

کیا عقل اس بات کا حکم نہیں کرتی کہ انسانوں کے لئے ایک نظام، رہنما اور مصلح کا ہونا ضروری ہے اور کون ایسا نظام وضع کر سکتا ہے جو ہر زمانے اور مکان کے لحاظ سے تمام انسانوں کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کا ضامن ہو اور اس میں کوئی نقص وخلل وکوتاہی نہ ہو؟ کیا آپ کی نظر میں خالق سے زیادہ مخلوق کے لئے ایسے نظام کو وضع کرنے کا اہل ہے اور اسے اس پر زیادہ آگاہی اور معرفت حاصل ہے؟ اور خدا کے علاوہ کون اس نظام کی طرف لوگوں کی راہنمائی کر سکتا ہے اور ان کو اس نظام تک پہونچا سکتا ہے؟ کون ان کو زیادہ بہتر راستہ کی طرف راہنمائی کر سکتا ہے اور کون فردی ومعاشرتی صلاح کے مدنظر ان کے معاملات کا انتظام سنبھال سکتا ہے؟ کیا آپ کی نگاہ میں خدا کے ایسے سفیروں کا ہونا ضروری نہیں جو اس نظام کی تبلیغ کر سکیں؟ اور بھلا ان سے زیادہ تبلیغ کے راہنمائی، ہدایت اور اصلاح کے لئے کون معتمد وقادر ہو سکتا ہے؟ کیونکہ خدا کو بہتر معلوم ہے کہ اپنی رسالت اور سفارت ونمائندگی کو کہاں رکھے، کیا انسان بغیر نبیؐ یا نبیؐ کے وصی، امامؑ کے بغیر اس ذمہ داری کو پورا کر سکتا ہے؟ اس کے بعد نبیؐ نے کس چیز کی طرف ندا دی؟

### ترک گناہ کی طرف دعوت دی:

پھر نبیؐ نے ان کو ندا دی کہ شہادتین کے اقرار کے بعد مہلک گناہوں کو

چھوڑ دیں۔ ایسے مہلک گناہ جن کو لوگ انجام دے رہے تھے اور آج تک لوگ ان کے اسیر ہیں ہر شخص بلکہ ہر صاحب عقل گناہوں کے نقصان کو درک کرتا ہے اور یہ بھی درک کرتا ہے کہ ان کو ترک کرنا ضروری ہے لیکن شیطان، خواہشات، نفس امارہ اور فساد کرنے والی چیزیں ان کو چھوڑنے کے سلسلہ میں حکم عقل و وجدان کی تائید کرنے میں رکاوٹ ہیں۔



کون شراب کے نقصان کو درک نہیں کرتا؟ ہم اس کے جسمانی نقصانات مثلاً طاقتوں کے مضمحل ہو جانے، نسل کے منقطع ہو جانے، معدہ کے خراب ہونے، بدن کے زہریلا ہو جانے، اور ناگہانی تفاق موت کے خطرے وغیرہ سے قطع نظر معاشرے میں اس کے آثار کی طرف متوجہ ہوں تو معلوم ہوگا کہ معاشرہ میں اس کے سبب رونما ہونے والے جرائم کتنے زیادہ ہیں؟

انسان کے پاس سب سے اہم چیز اس کی عقل ہے اور لوگوں کے درجات ان کی عقول کے مختلف ہونے کے ذریعہ مختلف ہوتے ہیں۔ اگر انسان اپنے اختیار سے اس شریف حاسّہ (عقل) کو زائل کر دے، جو تفاضل و امتیاز کا باعث ہوتی ہے تو اس کو دوسروں یہاں تک کہ جانوروں پر کون سی فضیلت و امتیاز حاصل ہوگا؟ اور کیا اس کا ضرر اس حد تک آکر رک جائے گا؟ نہیں بلکہ وہ کبھی کبھی درندوں اور وحشی جانوروں کی صفت عطا کر دے گا اور کیا انسان کو رذائل کے ارتکاب سے اس کی عقل کے علاوہ کوئی اور چیز روک سکتی ہے؟ جب اس کی عقل اس کے اختیار سے ختم ہو جائے تو قتل و زنا و لوٹ مار وغیرہ جیسی بری

صفات کے ارتکاب سے اس کو کون سی چیز روک سکتی ہے؟ لہٰذا کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئیے اگر رسولؐ خدا سے نقل ہوا ہے کہ "شراب تمام برائیوں کی جڑ ہے۔"

یہی صورت حال زنا اور اس کے جسمانی، معاشرتی، اخلاقی اور مادی نقصانات کی ہے... اور کون غیرت منداپنے حجاب کے برطرف ہونے پر خوش ہوسکتا ہے تو دوسرے کے حجاب کے برطرف ہونے پر کیسے راضی ہو گا؟ اور اگر ایک بچے کا نطفہ مختلف نطفوں سے وجود میں آیا ہوتو آپ کی نظر میں وہ بچہ کیسا ہوگا...؟

اب رہا جوا اور اس کے نقصانات... کاش آپ جواریوں سے جیتنے والے کے بارے میں پوچھیں تو آپ کبھی نہیں دیکھیں گے کہ کوئی جواری مالدار ہوگیا ہوتو اس صورت میں وہ کثیر اموال کہاں چلے جاتے ہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ جوا کھیلنے والے تجارت اور ان آزاد کاموں کو چھوڑ بیٹھتا ہے جن سے عظیم فوائد اور معاشرہ کا نظام وابستہ ہوتا ہے؟

یہی حال قتل، لوٹ مار، چوری، اغلام بازی جیسے مہلک گناہوں اور جرائم کا ہے کیونکہ عقل انسان کے لئے، ان کو چھوڑنے کی راہ کا چراغ ہے کیونکہ عقل ان میں نقصانات اور زمین میں فساد دیکھتی ہے۔

مصلح اعظمؐ اور سردارِ انبیاءؐ نے ان رذائل کو ترک کرنے کی صدا بلند کی جو صحت سلامتی، معاشرتی آسائش، مادی اور اخلاقی وغیرہ کے لحاظ سے انسان کے لئے بہتر ہی تھی اور آپؐ نے ان رذائل کو جو حرام قرار دیا تو ان کی جگہ ایک

بدل بھی قرار دے دیا ہے۔

کیا یہ لذیذ میووٴں کا جوس، یہ خالص دودھ، شہد اور دوسرے لذیذ مشروبات، شراب سے انسان کو بے نیاز نہیں کرتے ہیں؟ کیا زنا کے بدلے انسان کے لئے کنیزوں بے حساب متعہ والی عورتوں کے علاوہ چار بیویوں سے شادی کرنا مباح نہیں کیا ہے؟ جب انسان خود میں عورتوں کی طرف میلان طبعی ورغبت محسوس کرے اور ایک بیوی نا کافی ہو تو چار چار شادیوں اور ہزاروں متعہ کر سکتا ہے کون بد بخت ہے جس کی شہوت کی تکمیل کے لئے یہ سب مباح ہو اور پھر بھی اس کا نفس زنا کی طرف مائل ہو؟

خدا نے سود اور جوا کے بدلے انسان کے لئے تجارت اور بے انتہا آزاد کاموں کو حلال کیا ہے جو اس کے لئے بے تحاشا دولت کا سبب ہوتے ہیں۔ جو انسان کی زندگی کو بہتر بنانے کے علاوہ نظام کی حفاظت اور لوگوں میں تقسیم ومال کی فراوانی کا بھی باعث ہے اور بھلا سود اور جوا، تجارت اور دولت وفراوانی مال کی جگہ کیسے لے سکتے ہیں؟ جب کہ جوا وسود میں بغض، کینہ، اختلاف اور حسد وغیرہ جیسے معاشرتی نقصانات بہت ہیں۔

کیا ان بافضیلت امور، خوبصورت کاموں اور مباح لذتوں میں ان مہلک گناہوں، رذائل اور جرائم کا بدل موجود نہیں ہے؟ پھر کیسے رگوں میں خون کے دوڑنے کی مانند معاشرے کے جسم میں وہ شریعت نہیں دوڑے گی جو ان جیسے گناہان کبیرہ اور جرائم سے برسر پیکار ہے؟

## ظلم وزیادتی:

مذکورہ بالا گناہوں کے علاوہ بہت سے ایسے رذائل بھی ہیں جن کی شریعت محمدیہؐ نے مخالفت کی ہے ہم ان میں سے بعض کو ذکر کر رہے ہیں تاکہ صاحبان بصیرت کو معلوم ہو جائے کہ اسلامی شریعت کس طرح دنیا کی اصلاح اور انسان کی سعادت کی ضامن ہے اور یہ کہ اس جیسی شریعت کس طرح لوگوں میں تیزی سے نہ پھیلے گی جبکہ یہ اس کے نصائح ہیں اور وہ محرمات ہیں۔

ان جرائم میں سے جن پر لوگ قائم تھے اور شریعت محمدیہؐ نے ان کا مقابلہ کیا ''زیادتی'' ہے اور شریعت محمدیہ کی یہ مقدس کتاب صاف صاف اس گناہ سے روکتے ہوئے کہتی ہے: ''وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ''(۱) ''اور حد سے آگے نہ بڑھو کیونکہ خدا حد سے بڑھ جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' اور علی الاعلان منع کرتے ہوئے کہتی ہے: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا... (۲) ''اور کسی قبیلے کی یہ عداوت و دشمنی جو تمہیں خانہ کعبہ (میں جانے) سے روکتی ہے اس جرم میں نہ پھنسا دے کہ تم (ان پر) زیادتی کرنے لگو۔'' ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات پائی جاتی ہیں۔

البتہ کبھی نظام کی استواری کے لئے جیسے کو تیسا جواب دینا پڑتا ہے، اس

---

(۱) سورۂ بقرہ آیت/۱۹۰ اور سورۂ مائدہ آیت/۸۷ (۲) مائدہ/۲

لئے اگر اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دینے اور خاموشی اختیار کرنے سے فساد پھیلتا ہے اور ظلم وزیادتی میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند سبحان اپنی باحکمت کتاب



میں فرماتا ہے:

"فَمَنِ اعۡتَدَیٰ عَلَیۡکُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡهِ بِمِثۡلِ مَااعۡتَدَیٰ عَلَیۡکُمۡ...(۱)

"پس جو شخص تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے ویسی ہی زیادتی تم بھی اس پر کرو۔"

دوسری جگہاس کی تائیداس طرح فرمائی ہے: کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِصَاصُ فِی الۡقَتۡلیٰ...(۲) "جولوگ (ناحق) مارڈالے جائیں ان کے بدلے میں تم کو جان کے بدلے جان لینے کا حکم دیا جاتا ہے۔"

خداوند تعالیٰ نے اس دفاعی زیادتی کی تشریع اوراس قصاص کے فرض ہونے کی علت کواس آیت میں بیان فرمایا ہے:وَلَکُمۡ فِی الۡقِصَاصِ حَیَاۃٌ یَّااُولِی الۡاَلۡبَابِ "اے عقلمندو! قصاص (کے قواعد مقرر کردینے) میں تمہاری زندگی ہے۔" کیونکہ اگرلوگوں کومعلوم ہوکہ کسی کی جان لینے کے بدلے قاتل کی بھی جان لے لی جائے گی تو بہت کم لوگ ہی اس جرم قتل کے مرتکب ہونگے یہی قصاص لوگوں کی حیات اورنفوس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے لیکن آج لوگوں میں جو جرائم پھیل رہے ہیں یا پھیلے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے یہ گمان کر

---

(۱)بقرہ آیت/۱۹۴(۲)بقرہ آیت/۱۸۷

لیا ہے کہ قصاص سے نجات مل جائے گی کیونکہ عدالتیں قصاص کے بدلے قید اور مالی جرمانہ لیکر چھوڑ دیتی ہیں۔اثر کے لحاظ سے ان دونوں تادیبوں (قصاص اور مالی جرمانہ) میں کتنا فرق ہے!

**فتنہ وفساد:**

ان جرائم میں سے جن پر لوگ قائم تھے بلکہ اب بھی قائم ہیں، فتنہ ہے یہ بہت برا کام ہے پس اسلام اس فتنہ اور فساد سے روکنے اور یہ بتانے کے لئے کہ "برائی" خود اس فتنہ کا ایک اثر ہے، میدان میں اتر آیا ہے۔

چنانچہ اسلام کی مقدس کتاب میں ارشاد ہے: وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (۱) "فتنہ پردازی خونریزی سے بھی بڑھ کے ہے۔" ایک اور جگہ ارشاد ہے: وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (۲) "فتنہ پردازی کشت وخون سے بھی بڑھ کے ہے۔"

چونکہ لوگوں کی نگاہ میں قتل سخت اور بڑا گناہ ہے اس لئے خداوند عالم نے ان کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ فتنہ پردازی اس قتل سے بھی بڑھ کے ہے اور کیونکر قتل سے بڑھ کر نہ ہو جبکہ کبھی کبھی قتل کا سبب فتنہ پردازی ہی ہوتی ہے؟

فتنہ پردازی کے اور بھی عظیم آثار ہیں اگر چہ شدت میں قتل سے کم ہیں مثلاً دفن شدہ کینوں کو ابھارنا، آپس میں قطع تعلق، نفرت، گالی گلوج اور برا بھلا کہنا وغیرہ۔

---

(۱) بقرہ آیت/۱۹۱ (۲) بقرہ آیت/۲۱۷

کینہ وحسد:

حسد ذاتی طور پر مضمحل کرنے والی بیماری اور عاجز کردینے والا مرض ہے لیکن اگر حاسد اپنے حسد کی وجہ سے محسود کو نقصان پہونچانے لگے تو یہ کتنی خطرناک اور کتنی بری صفت ہوگی؟

اس کے اثر کی شدت مدنظر رکھ کر خداوند تعالیٰ نے حاسد کے شر سے پناہ مانگنے کا سورۂ فلق میں حکم دیا ہے: وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (۱) ''میں حاسد کے شر سے کہ جب وہ حسد پر اتر آئے پناہ مانگتا ہوں'' یہ حاسد کو حسد چھوڑنے پر آمادہ کرنے کی بہترین روش ہے کیونکہ حاسد اس طرح پہچان لے گا کہ حسد اس وقت شر ہوگا جب حسد کرنے والا محسود کو نقصان پہونچانا چاہے اور بھلا کون بے وقو ہوگا جو کھلم کھلا شر پر اترے گا؟

اس صفت کی برائی کی وجہ سے خداوند حکیم نے حاسدوں کی مذمت فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ... (۲) ''آیا وہ ان لوگوں سے حسد کرتے ہیں جنہیں خدا نے اپنے فضل وکرم سے بہت کچھ عطا کیا ہے۔''

حسد کے سلسلہ میں ہم نے کچھ عرصہ قبل فرصت کے لمحات میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ جب حسد میں اتنی خطرناک خباثتیں اور برائیاں پائی جاتی ہیں تو

---

(۱) فلق آیت/۵ (۲) نساء آیت/۵۴

پھر کیوں اسلام اس سے نہیں روکے گا؟ اور اسلام کیونکر ترقی نہ کرے گا جب کہ اس نے ان جیسی چیزوں سے روکا ہے؟

کنجوسی:

کنجوسی میں جو نقص پایا جاتا ہے، کنجوسوں کی جو مذمت وملامت ہوتی اور اس سے جو نفرت لوگوں کو پیدا ہو جاتی ہے اس سے کون آشنا نہیں ہے؟! کیا قلم اس کے آثار بد کو تحریر کرسکتا ہے اسی لئے اسلام نے اس عیب ونقص سے روکا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ (۱) ''جو بخل کرتا ہے وہ خود اپنے ہی سے بخل کرتا ہے اور خدا تو بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو۔''

عطا کرنا ثنا اور جزا کا سبب ہوتا ہے، جب انسان بخل سے کام لے گا تو دنیا وآخرت میں اس سے محروم ہو جائے گا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: ''وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ'' (۲) ''اور جن لوگوں کو خدا نے اپنے فضل (وکرم) سے کچھ دیا ہے (اور پھر) بخل کرتے ہیں وہ ہرگز اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ ان کے لئے کچھ بہتر ہوگا بلکہ یہ ان کے حق میں بدتر ہے۔''

---

(۱) محمد آیت/ ۳۸ (۲) آل عمران آیت/ ۱۸۰

بہر حال بخل کرنے والوں نے اس اجر وفخر اور ثنا سے ہی ہاتھ نہیں دھویا ہے بلکہ انہیں ایک واجب ترک کرنے پر سزا بھی دی جائے گی اور بھلا اس سے بڑھکر کون سی برائی ہو سکتی ہے؟

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالاً فَخُوْرًا اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ...''(۱)

''بے شک خدا اکڑ کے چلنے والوں اور شیخی بازوں کو دوست نہیں رکھتا یہ وہ لوگ ہیں جو خود تو بخل کرتے ہی ہیں، لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں۔''

ذرا سوچیں! خداوند کریم بخل جیسی بری صفت کے حامل شخص کو کیسے دوست رکھ سکتا ہے؟ جب وہ ایک اور بدی کا مرتکب ہوتا ہو یعنی خود مرتکب ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی حکم دیتا ہو؟ ان آیات کے علاوہ بھی اور بہت سی آیات موجود ہیں۔ ان جیسی خوبیوں کو ہماری شریعت مقدسہ متحمل تو وہ ضرور آگے بڑھتی رہے گی اور راہ کے تمام موانع کو ہٹا دے گی۔

## بغاوت وسرکشی:

سرکشی فطرت بشری اور انسانی طبیعت کی رو سے قابل مذمت ہے، یہاں تک کہ اس صفت کا حامل شخص اس سے متصف ہونے اور اس کی طرف منسوب ہونے کو ناپسند کرتا ہے۔ اور یہی اس کے برا ہونے اور نقص ہونے کے لئے کافی ہے۔

---

(۱) نساء آیت/۳۶،۳۷

تواس صورت میں اس سے وہ شریعت کیوں منع نہ کرے گی جو انسانوں کو مصائب اور برائیوں سے نجات دلانے اور رذائل ونقائص سے رہائی دلانے کے لئے ہی آئی ہے؟ اسی قرآن کریم نے خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو گناتے ہوئے فرمایا ہے: "وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ" (۱) یعنی "خدا نے ناحق زیادتی و بغاوت کو حرام کیا ہے۔"

اسی طرح ارشاد ہے: "وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ" (۲) یعنی "اور خدا بدکاری، ناشائستہ حرکتوں اور سرکشی کرنے کو منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔"

خداوند دانا نے اس سے روکنا ہی کافی نہیں سمجھا بلکہ لوگوں کے لئے اہل بغی کے خلاف شکایت کرنے کا حق قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے: "اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ" (۳) "الزام تو بس انہیں لوگوں پر ہوگا جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور روئے زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے پھرتے ہیں۔"

بلکہ خداوند حکیم نے زیادتی کرنے والوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے: فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ (۱) "تو جو (فرقہ)

---

(۱) اعراف آیت/۳۲ (۲) نحل آیت/۹۰ (۳) شوریٰ آیت/۴۲

زیادتی کرے تم (بھی) اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کے سامنے جھک جائے۔" یہ شریعت اسلامیہ میں سرکشی کا مقام و منھ توڑ جواب ہے، ایسی شریعت جو رذائل سے پیکار کرنے اور فضائل کو اہمیت دینے کے لئے آئی ہے۔



خیانت:

خیانت کو شریف نفوس قبول نہیں کرتے بلکہ یہ مروت و انصاف سے سازگاری نہیں رکھتی مگر یہ ایسی چیز ہے جس کی طرف انسانی فطرت مائل ہے۔ اس کے بارے میں اس شریعت کا برتاؤ کیا ہوگا جو انسانوں کو جرم سے دور کرنا چاہتی ہے اور انکو گناہوں سے نجات دلانا چاہتی ہے؟ اس لئے قرآن مجید پکار رہا ہے: "اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّاناً اَثِیماً" (۲) "بے شک خدا ایسے شخص کو دوست نہیں رکھتا جو دغاباز گنہگار ہو۔" ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَائِنِیْنَ" (۳) "خدا ہرگز دغابازوں کو دوست نہیں رکھتا۔" ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: "اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ" (۴)

"خدا کسی بددیانت ناشکرے کو دوست نہیں رکھتا۔"

بھلا ایسے شخص کو کیسے دوست رکھ سکتا ہے جو مجرم ہو اور برائیوں میں جکڑا ہو؟ چونکہ خیانت قابل مذمت صفت ہے لہٰذا خدا نے اپنے مومن

---

(۱) حجرات آیت/ ۹ (۲) نساء آیت/ ۱۰۷ (۳) انفال آیت/ ۵۸ (۴) حج آیت/ ۳۸

بندوں کو اس سے دور رکھنا چاہا ہے چنانچہ خدا مومنین کو اس سے منع کرتے ہوئے فرماتا ہے: "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا اَمَانَاتِکُمْ ..." (۱) "اے ایماندارو! خدا، رسولؐ اور اپنی



امانتوں کے بارے میں خیانت نہ کرو۔"

اس سلسلہ میں ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں۔

## تکبر و گھمنڈ:

تکبر و گھمنڈ، اہل جاہلیت کے نفوس میں راسخ اور ان کی فطرت سے آمیختہ تھا۔ جب اسلام رذائل کی آلودگیوں سے انہیں پاک و پاکیزہ کرنے کے لئے آیا تو اس کے لئے تکبر کو سب سے پہلے دلوں سے پاک کرنا ضروری ہے۔ اور کیوں اسلام اس برائی کو جڑ سے پھینک دینے کو اہمیت نہ دیتا جب کہ اس برائی کے آثارِ بد حد شمار سے باہر ہیں؟ اسی لئے قرآن مجید نے غرور کرنے والوں کی سرزنش کی ہے اور ان کے برے انجام کی خبر دی ہے۔ ان آیات میں سے تین آیات یہ ہیں:

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ (۲) "وہ (خدا) ہرگز تکبر کرنے والوں کو پسند

---

(۱) انفال آیت/ ۲۷ (۲) نحل آیت/ ۲۳

نہیں کرتا۔'' "فَلَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَكَبِّرِیْنَ" (۱) ''غرض تکبر کرنے والوں کا بھی کیا برا ٹھکانا ہے؟'' اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ (۲) ''کیا غرور کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟ (ضرور ہے) البتہ خدا کی عبادت سے اکڑنے والوں کی مذمت میں جو آیات ہیں وہ حد شمار سے باہر ہیں۔ اور چونکہ غرور سب سے آشکار عیب ہے لہٰذا ہم نے اس کے سلسلہ میں تفصیلی گفتگو نہیں کی اگر چہ اس موضوع کا حق تھا کہ اس کے سلسلہ میں تفصیلی بحث کی جائے۔

جھوٹ:

جھوٹ ایسی صفات میں سے ہے جس سے غیرت مند افراد نفرت کرتے ہیں اور بلند حوصلہ انسان اس سے دور رہتے ہیں۔ جھوٹ کم حوصلہ اور ضعیف النفس انسان ہی بولتے ہیں۔ جھوٹ ہمیشہ جھوٹے کو ذلیل کرتا رہا ہے اور اہل شرف وفضیلت افراد کی نظروں سے گراتا رہا ہے۔ اس کی مذمت کے لئے یہی کافی ہے کہ جھوٹا بھی اس سے بیزار رہتا ہے اور اس کے نقص وعیب اور برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ خدا نے جھوٹ کو اہل نفاق کی صفت قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِآیَاتِ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ (۳) ''جھوٹ بہتان بس وہی لوگ باندھا کرتے ہیں جو خدا کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور (حقیقت امر یہ ہے کہ) یہی لوگ جھوٹے ہیں۔''

---

(۱) نحل آیت/ ۲۹ (۲) زمر/ ۶۰ (۳) نحل آیت/ ۱۰۵

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: "فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ" (۱) ان کے بخل نے ان کے دلوں میں نفاق راسخ کر دیا اس دن تک کے لئے جب یہ خدا سے ملاقات کریں گے کیونکہ انہوں نے خدا سے لئے ہوئے وعدے کی مخالفت کی ہے اور جھوٹ بولے ہیں۔

جھوٹ کے برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ جھوٹے کو ہدایت کی توفیق نہیں ملتی اسی سلسلہ میں ارشاد الٰہی ہے: "إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ" (۲) یعنی "بے شک خدا اس شخص کی ہدایت نہیں کرتا جو حد سے گذرنے والا (اور) جھوٹا ہو۔" اس کی پستی اور بہت ہی بری تاثیر کی وجہ سے خداوند عالم نے خود جھوٹ کو کھلا ہوا گناہ قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: "انْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُبِينًا" (۳) یعنی "اے رسولؐ ذرا دیکھو تو یہ لوگ خدا پر کیسے کیسے جھوٹے بہتان لگاتے ہیں اور ان کے کھلم کھلا گناہ کے واسطے تو بس یہی کافی ہے۔"

اس مذموم خصلت سے روکنے کے لئے کا اتنا ہی تذکرہ کافی ہے۔ یہ اسلام اور یہ اس کی خوبیاں ہیں کہ اس نے ہر جرم سے روکا ہے اور ہر گناہ سے منع کیا ہے۔

---

(۱) توبہ آیت/۷۷ (۲) مومن آیت/۲۸ (۳) نساء آیت/۵۰

## ظلم وستم:

ظلم عقلی اور فطری طور پر برا ہے اور عقول وفطرت کے نزدیک یہ جتنا برا تھا اتنا ہی دنیا میں پھیلا ہوا تھا اور بندوں کے درمیان رائج تھا یہاں تک کہ جب اسلام کی دعوت دینے والے نبیؐ نے جرائم سے پیکار کرنے اور رذائل کو چھڑانے کی ترغیب دی تو ظلم ان جرائم میں سر فہرست تھا جن سے آپؐ نے مقابلہ کیا۔

یہ اسلام کی مقدس کتاب ہے جو اس کے مقابلہ کا اعلان کر رہی ہے اور اس میں ایسی بے شمار آیات موجود ہیں جنھوں نے اس مہلک گناہ سے روکا ہے، ظلم کرنے والوں کی مذمت کی ہے اور ان کے انجام کی خبر دی ہے مثلاً ان آیات کو ملاحظہ فرمائیں: ''وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلىٰ يَدَيْهِ'' (۱) ''اور جس دن ظلم کرنے والا اپنے ہاتھ (مارے افسوس کے) کاٹنے لگے گا'' ''فَأَخَذَتْهُمُ الصَّعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ...'' (۲) ''تب ان کو ان کے ظلم کی وجہ سے بجلی نے دھر پکڑا'' ''وَالظَّالِمُوْنَ مَالَهُمْ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلاَ نَصِيْرٍ'' (۳) یعنی ''اور ظالموں کا تو (اس دن) نہ کوئی سرپرست ہے اور نہ مددگار'' ''وَمَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ'' (۴) یعنی ''اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا'' ''وَالظَّالِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَاباً اَلِيْماً'' (۵) ''اور ظالمین کے واسطے اس (خدا) نے دردناک عذاب تیار

---

(۱) فرقان آیت/۲۷ (۲) نساء آیت/۱۵۳ (۳) شعراء آیت/۸

(۴) بقرہ آیت/۲۷۰، آل عمران آیت/۱۹۲ (۵) دہر آیت/۳۱

کر رکھا ہے۔ ''وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ '' (۱) ''اور (اے رسولؐ) بستیوں کے لوگوں کی سرکشی سے جب تمہارا پروردگار عذاب میں پکڑتا ہے تو اس کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے۔''

ان کے علاوہ اور آیات ہیں جن کو قلم تحریر نہیں کر سکتا۔

یہ تھے ان میں سے چند جرائم و رذائل کہ جن سے شریعت اسلامیہ برسرپیکار رہی ہے۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ نے ہر معصیت کا مقابلہ کیا ہے اور ہر مہلک گناہ کی سے ڈرایا ہے اور ہر مذموم فعل اور پست خصلت سے روکا ہے۔

آپ ہم کو اپنے وجدان و ضمیر سے بتائیں کہ جس شریعت کی یہ شان ہو اور جس دین کا یہ امتیاز ہو بھلا وہ کیوں نہ صحراؤں اور جنگلوں کو طے کرے گا اور کیوں نہ ہر بلندی پر فائز ہوگا اور ہر وادی میں اترے گا؟ چنانچہ اسلام نے پوری دنیا کو آداب و اخلاق و فضائل کا نیا لباس پہنا دیا اور اسلام سے پہلے اور بعد کے لوگوں میں کتنا فرق ہے؟! اپنا ہی فرق ہے کہ جتنا عالم و جاہل میں فرق ہوتا ہے بلکہ جتنا انسان اور جانور میں ہوتا ہے! اس ک بعد اسلام نے کس چیز کا نعرہ لگایا؟

## فضائل کی ترغیب کے لئے پکارا:

دین اسلام نے رذائل و فواحش سے صرف جنگ ہی نہیں لڑی اور جرائم اور گناہوں سے صرف روکا ہی نہیں بلکہ وہ اپنے ساتھ ہر فضیلت لے کر

---

(۱) ہود آیت/ ۱۰۲

آیا ہے اور ہر نیک خصلت سے انسان کو لیس کیا ہے اس نے انسان کے لئے سعادت وزندگی اور معاشرہ کے لئے ترقی اور آداب واخلاق کا ارادہ کیا ہے بلکہ اس کا تو منشا یہ ہے کہ انسان اپنی صفات اور نیک اخلاق وعادات میں فرشتوں کی برابری کرنے لگے لیکن سن کر عمل کرنے والا اور توجہ دے کر قبول کرنے والا



کوئی کہاں ہے؟

آپ کے سامنے کچھ وہ نیک صفات پیش کی جارہی ہیں جس کی طرف اسلام نے لوگوں کو دعوت دی ہے اور ان سے آراستہ ہونے کی ان کو سفارش کی ہے۔

## سخاوت:

اس بلند مرتبہ خصلت کی شریعت اسلامیہ نے کتنی تاکید کی ہے اور اس فضیلت کبریٰ کے لباس سے آراستہ ہونے کی کتنی ترغیب دی ہے یہ اسلام کی مقدس کتاب پکار رہی ہے: "یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا أَنفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُم ..." (۱) "اے ایماندارو! جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرو۔" ایک اور جگہ اعلان ہوتا ہے: "وَأَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ" (۲) "اور راہِ خدا میں خرچ کرو۔" دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: "یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا أَنفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْأَرْضِ ..." (۳)

"ایماندارو! اپنی پاک کمائی اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین

---

(۱) بقرہ آیت/۲۵۴ (۲) بقرہ آیت/۱۹۵ (۳) بقرہ آیت/۲۶۷

سے پیدا کی ہیں (خدا کی راہ میں) خرچ کرو۔" ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" (۱) "جب تک تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ راہِ خدا میں خرچ نہ کرو گے ہرگز نیکی کے درجہ پر فائز نہیں ہو سکتے۔"

کیا اس ترغیب کے بعد بھی مزید کسی چیز کی ضرورت ہے؟ نہیں تو معاشرہ میں سخاوت کے فوائد اور اثرات محسوس کئے جا سکتے ہیں۔

## نیک اخلاق:

نیک اخلاق بہت درخشاں صفت ہے آپ پر واجب ہے کہ ایسا اچھا اخلاق اپنائیں جسکی اسلام نے ترغیب کی ہے کیونکہ نبی اکرمؐ ایسے اچھے اخلاق کریمہ کے مالک تھے جس کی خدا نے یوں ثنا فرمائی ہے: "وَاِنَّکَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" (۲) "اور بے شک تمہارے اخلاق بڑے اعلیٰ درجہ کے ہیں۔" پھر خداوند عالم نے آپ کو اہل ایمان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنے کا حکم دیا چنانچہ فرمایا: "وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ" (۳)

"ایمانداروں سے جھک کر ملا کرو۔" ایک اور جگہ فرمایا: "وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" (۴) "اور جو مومنین تمہاری اتباع کرتے ان کے لئے اپنے بازوؤں کو پھیلا دو۔"

یہ نیک اخلاق اور اس سے آراستہ ہونے کی ترغیب کی بہترین روش ہے تو جب اس

---

(۱) آل عمران/۹۲ (۲) قلم/۴ (۳) حجر/۸۸ (۴) شعراء/۲۱۵

عظیم اخلاق کے مالک نبیؐ کو خدا حکم فرماتا ہے کہ مومنین کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کریں تو اس صورت میں اسلام مومنین کو آپس میں کس طرح رہنے کا حکم دے گا؟

خلاق دو عالم نے اس نیک اخلاق کا فائدہ اور بداخلاقی کے مضرات کو اس طرح بیان فرمایا ہے: "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ..." (۱) "تو (اے رسولؐ) یہ بھی خدا کی ایک مہربانی ہے کہ تم (سا) نرم دل (سردار) ان کو ملا اور اگر تم بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ (خدا جانے کب کے) تمہارے گرد سے تتر بتر ہو گئے ہوتے۔"

یہ تمام آیات اس حکم عقل اور بے شمار روایات کے علاوہ ہیں جو اس نیک خصلت کی طرف دعوت دیتی ہیں۔

نیکی و احسان:

بلند مرتبہ نیک صفات میں سے ایک نیکی کرنا ہے اور اس مقدس اسلام نے کتنا اس کی ترغیب کی ہے آپ کے سامنے نمونہ کے طور پر دو آیات پیش کی جاتی ہیں: "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ..." (۲) "اس میں شک نہیں کہ خدا انصاف اور لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے۔"

"وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" (۳) "اور نیکی کرو بے شک خدا نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔" خدا نے صرف نیکی کرنے کا حکم ہی نہیں

---

(۱) آل عمران/۱۵۹ (۲) نحل/۹۰ (۳) بقرہ/۱۹۵

دیا بلکہ اس کی طرف لطیف انداز میں دعوت دی ہے اور دعوت دینے کا کیا نیا انداز اپنایا ہے اور کتنا عظیم الشان طریقہ بیان کیا ہے اور نیکی کی جانب بلانا اس سے زیادہ اہم کیا ہوسکتا ہے کہ خدا نیکی کرنے والے کو دوست رکھتا ہے؟ چونکہ خدا کو معلوم تھا کہ اس کے بندے معنویات پر قانع نہ ہوں گے بلکہ مادی امور کی صورت میں اس کا عوض لینے کی طرف راغب ہوں گے لہٰذا اس نے فرمایا:

"وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى" (۱) "اور جن لوگوں نے نیکی کی ہے (خدا) ان کو ان کی نیکی کی جزا دے گا۔" "لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ" (۲) "جن لوگوں نے (دنیا میں) بھلائی کی ان کے لئے (آخرت میں بھی) بھلائی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ بھلائی ہے۔"

اس طرح کی آیات قرآن میں بہت زیادہ ہیں تو کیا اس کے بعد بھی نیکی کرنے کی ترغیب کی ضرورت ہے؟

بہر حال یہ اسلام ہے اور وہ اس کی خوبیاں ہیں، یہ اسلام کے اوامر ہیں اور وہ اس کے نواہی ہیں۔ صاحبان عقل و بصیرت کی نظر میں اس کی راہ میں اب کون سی رکاوٹ ہوگی؟

معاف کرنا:

معاف کرنا کتنی با کرامت عادت اور عظیم الشان خصلت ہے! اس کی

---

(۱) نجم/۳۱ (۲) یونس/۲۶

قدر و منزلت کی بلندی کی وجہ سے خداوند عالم اس سے متصف ہے۔ چنانچہ اس نے محکم کتاب میں ارشاد فرمایا ہے: "اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ" (۱) "بے شک خدا بڑا معاف کرنے اور بخشنے والا ہے۔" "اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا" (۲) "بے شک خدا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔" "وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا" (۳) "خدا بڑا معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔" "فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا" (۴) "خدا بڑا معاف کرنے والا اور قادر ہے۔"

ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں جن میں خدا نے خود کو صفت "عفو" سے متصف فرمایا ہے تو خدا کیوں نہ اپنے بندوں کو اس صفت کی ترغیب دلائے گا؟ چنانچہ اس نے لوگوں کو معاف کرنے کی ترغیب کرتے ہوئے فرمایا ہے: "وَاَنْ تَعْفُوْا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى" (۵) "اگر تم بخش دو تو پرہیز گاری سے بہت قریب ہے۔" خدا نے آیہ کریمہ میں ان کو معاف کرنے کی ترغیب کرتے ہوئے اس بات کی طرف متوجہ کیا ہے کہ معاف کرنا پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے اور کون ہے جو متقین میں سے نہیں ہونا چاہتا۔

خدا نے معاف کرنے کی طرف کتنے لطیف اشارے کئے ہیں:

"وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ" (۶) "انہیں چاہئے کہ معاف کر دیں اور درگذر فرد یں کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ خدا

---

(۱) حج/۶۰ (۲) نساء/۴۳ (۳) نساء/۹۹ (۴) نساء/۱۴۹ (۵) بقرہ/۲۳۷ (۶) نور/۲۲

تمہاری خطا معاف کرے؟"

خدا نے لوگوں کے معاف کرنے کو اس بات کا ذریعہ قرار دیا کہ خدا ان کو معاف کر دے گا اور بھلا کون یہ نہیں چاہتا کہ خدا اس کو معاف کر دے اور بخش دے؟ چونکہ یہ خصلت خدا کے نزدیک مکرم ہے لہٰذا خدا نے اپنے نبی کو اس کے اپنانے کی تعلیم دی ہے:

"خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ "(۱)" (اے رسولؐ) تم درگذر کرنا اختیار کرو اور اچھے کام کا حکم دو۔"

ان جیسی آیات قرآن کریم میں بہت زیادہ ہیں۔ اسلام ان نیک صفات کی ندا دینے اور ان مکارم اخلاق کی ترغیب کرنے والا دین ہے، پس۔ تو جس نے ان صفات سے روگردانی کی اس نے اپنے نصیب سے روگردانی کی اور جس نے ان کی طرف توجہ نہ دی اس نے گویا اپنی تہذیب نفس کی طرف توجہ نہ دی۔

## زبان کی شیرینی:

اچھا کام کرنا ہی خوبی نہیں بلکہ اچھے انداز میں بات کرنا درخشاں خوبی ہے اور کبھی کبھی اچھے انداز میں گفتگو کرنے کا وہ اثر ہوتا ہے جو اچھے اچھے کام کرنے سے نہیں ہوتا، ایک اچھا مقررِ عقلوں پر ایسا اثر چھوڑتا ہے جو ہزاروں مجاہد اور عبادت گذار نہیں چھوڑتے اسی لئے خداوند عزوجل نے اس کا مسلمین کو

---

(۱) اعراف/ ۱۹۹

حکم دیا ہے تاکہ وہ قول و عمل کے ذریعہ شریعت کی زیبائی کے راہنما اور داعی بن جائیں چنانچہ خداوند عالم نے فرمایا ہے: "وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْناً" (۱) "اور لوگوں سے اچھی طرح (نرمی) سے باتیں کرنا۔"

"قَوْلٌ مَعْرُوفٌ وَ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذىً" (۲) یعنی "(سائل کو) نرمی سے جواب دینا اور (اسکے اصرار پر نہ جھڑکنا بلکہ) اس سے درگذر کرنا اس خیرات سے کہیں بہتر ہے جسکے بعد (سائل کو) ایذا پہونچے۔"

آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ کس طرح خدا نے یہاں نیک گفتگو کو نیک عمل پر برتری دی ہے اگر اس عمل کے بعد احسان جتایا جائے جس سے (سائل کو) ایذا پہونچے۔ تو یہ عمل صرف مادی نفع ہے اور قول صرف قول ہے۔ بلکہ نورانی شریعت نے اہل کفر و عناد سے مناظرہ میں بھی زبان مٹھاس کو پسند کیا ہے بلکہ مناظرہ میں ان کے ساتھ نیک گفتگو کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ زبان کی شیرینی انہیں اسلام کی طرف دعوت کی بہترین روش ہے۔ خداوندہ عالم کا ارشاد ہے: اُدْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِی هِیَ اَحْسَنُ...... " (۳) "(اے رسول) تم (لوگوں کو) اپنے پروردگار کی راہ پر حکمت اور اچھی اچھی نصیحت کے ذریعہ لگاؤ اور بحث و مباحثہ کرو بھی تو ایسے طریقہ سے جو (لوگوں کے نزدیک) سب سے اچھا ہو۔"

---

(۱) بقرہ/۸۳ (۲) بقرہ/۲۶۳ (۳) نحل/۱۲۵

"وَلاتُجَادِلُوْااَهْلَ الْكِتَابِ اِلاّبِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ..." (۱) "(اے ایماندارو) اہل کتاب سے مناظرہ نہ کیا کرو مگر عمدہ اور شائستہ الفاظ وعنوان سے۔" خدا وند عالم نے اس آیت میں "مناظرہ" کو "شائستہ" میں منحصر فرمادیا ہے۔ اور یہ منحصر کرنا، زبان مٹھاس اور خوش گوار انداز میں باتیں کرنے کی آخری حد ہے۔

لہٰذا اچھی گفتگو ان نیک صفات میں سے ہے جس کی شریعت اسلامی نے ترغیب دی ہے اور ہر وقت، اور ہر ایک کے ساتھ ان کو استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔

بھلائی:

بھلائی ایسا امر ہے جو بہت سی نیک صفات پر مشتمل ہے لہٰذا اس کی طرف دعوت، متعدد فضائل کی طرف دعوت دینا ہے اور اس پر عمل کرنا بہت سی نیک صفات پر عمل کرنا ہے تو اس صورت میں وہ شریعت اسلامیہ اس کی ترغیب نہیں کرے گی جو بندوں کو کسب کمال وفضیلت کی ترغیب کی ہر فرصت کو غنیمت سمجھتی ہے۔ اسلام کی یہ مقدس کتاب عملی طور پر اور دعوت دینے کے طور پر خیر کی ترغیب کرتی ہے۔ عملی طور پر ترغیب کا نمونہ یہ تین آیتیں ہیں:

"فَاسْتَبِقُوْا الْخَيْرَاتِ" (۱) "پس نیکیوں میں آگے بڑھ جاؤ۔"

"وَافْعَلُوْاالْخَيْرَ" (۲) "اور نیکیاں بجالاؤ۔"

---

(۱) عنکبوت/۴۶ (۲) بقرہ/۱۴۸ (۳) حج/۷۷

نیز ارشاد ہے: "وَاَوْحَیْنَا اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ...." "ہم انہیں نیکیاں بجا لانے کی وحی کی ہے۔"

دعوت کے طور پر ترغیب کا نمونہ یہ آیت ہے: "وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ" (۱) "اور تم میں سے ایک گروہ (ایسے لوگوں کا بھی) ہونا چاہیئے جو (لوگوں کو) نیکی کی طرف بلائے۔"

اور کبھی نیک کام کی طرف بلانا خود اس کو انجام دینے سے ہوتا ہے جس طرح کہ نیکی میں سبقت لے جانا، نیکی کی طرف اچھے انداز میں نصیحت کرنے یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کے ذریعہ نیکی کی طرف مائل کرتا ہے۔

## حق:

قول وفعل کے لحاظ سے حق درخشاں فضیلت اور صفت ہے اور بھلا شریعت حقہ کیوں اسکی طرف راہنمائی نہ کریگی جبکہ حیات کا نظام، نظام کی حیات، سعادت بشر اور ذریعہ سعادت وغیرہ جیسے بے شمار فوائد اسی حق سے وابستہ ہیں۔ حق کی عظمت کی وجہ سے خدا نے خود کو حق کہا ہے: "فَتَعَالَی اللّٰهُ الْمَلِکُ الْحَقُّ......" (۲) "پس (دو عالم کا سچا بادشاہ برتر واعلی ہے" "ذٰلِکَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ ........" (۳) تو یہ (قدرت کے کرشمے)

---

(۱) آل عمران/۱۰۴ (انبیاء/۷۳) (۱) سورہ طہ/۱۱۴ و سورہ مومنون/۱۱۶ (۲) سورہ حج/۶ و سورہ لقمان/۳۰

اس لئے (دکھائے) ہیں تا کہ (تم جانو کہ) بیشک خدا، حق ہے" اس کے علاوہ بھی اس سلسلہ میں اور آیات ہیں۔ خدا نے اپنے قول کو بھی حق کہا ہے: "وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ ......." (۱) "خدا تو حق کہتا ہے"۔ "قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ" (۲) "اسی کا قول، حق ہے اور اسی کے لئے بادشاہت ہے" ان کے علاوہ آیات کریمہ موجود ہیں۔

چنانچہ شریعت کیوں نہ اسکی طرف راہنمائی کریگی جب کہ اسکی یہ رفیع منزلت اور عظیم اثر ہے؟ نیز خدا کے نورانی کلام کی چند آیات پیش کی جارہی ہیں:

"لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ....."

(۳) تمہارے پاس یقیناً تمہارے پرودگار کی طرف سے برحق کتاب آچکی ہے۔ "اَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ" (۴) "حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے۔" "وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ" (۵) "اور اے رسولؐ) تم کہدو کہ سچی بات تمھارے پرودگار کی طرف سے ہے۔

ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات موجود ہیں۔

## امر بالمعروف اور نہی عن المنکر:

لوگوں کی ہلاکت برائیوں کے ارتکاب اور نیک کام ترک کرنے کی

---

(۱) سورہ احزاب/۴ (۲) سورہ انعام/۳ ۔(۲) سورہ یونس/۹

(۴) سورہ بقرہ/۱۴۷ (۵) سورہ کہف/۲۹

وجہ سے ہے اور کیا خدا نے سردار انبیاء کو اس کے علاوہ کسی اور امر کے لئے بھیجا تھا کہ آپ لوگوں کو گمراہی اور جہالت سے نکالیں، اچھے کام کرنے پر امادہ کریں اور ان کو برے کاموں کے ارتکاب سے روکیں؟ اگر لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو رسولؐ کی بعثت کا مقصد حاصل نہ ہوتا اس لئے آپؐ نے لوگوں کو اچھے کام کرنے اور برائی سے دور رہنے کئے لئے بڑی شفقت ومحنت کی اور اس فریضہ پر عمل کرنا ہر شخص کے لئے ضروری قرار دیا جب تک اس واجب پر عمل ہوتا رہے گا اس وقت تک امت سعادت وخیر حاصل کرتی رہے گی۔

یہ تو انفرادی صورت میں خود لوگوں کو یہ فریضہ ادا کرنا ہے لیکن اجتماعی صورت میں معاشرہ، یا منتظم اور راہنما کی ذمہ داری کے لحاظ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے خداوند عالم کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے: "وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُونَ اِلَى الْخَيْرِ يَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ........" (۱) اور تم میں سے ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی تو ہونا چاہیے جو (لوگوں کو) نیکی کی طرف بلائیں اور اچھے کام کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں" اور چونکہ اس واجب پر عمل کرنا سب سے باشرف فضیلت ہے لہذا خدا نے اس پر عمل کرنے والوں کی مدح فرمائی ہے: "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَامُرُوْنَ

---

(۱) سورہ آل عمران/۱۰۴

بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ " (۱) تم معاشرہ کی بہترین فرد ہو کہ لوگوں کی ہدایت کے واسطہ پیدا کئے گئے ہو کہ تم (لوگوں کو) اچھے امور کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو" "وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ " (۲) "ایماندار مرد اور ایماندار عورتوں، میں سے بعض کے بعض، رفیق ہیں لوگوں کو اچھے کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں" ان کے علاوہ بھی اور بہت سی آیات کریمہ ہیں اور امت اس واجب فریضہ کو ترک کرنے کی وجہ سے ہی اپنے بلند مقام سے ہاتھ دھو بیٹھی اور گہرے گڑھے میں گر گئی ہے۔

**اصلاح:**

سعادت کا ستون اصلاح ہے جب کسی امت میں ایسے افراد ظہور میں نہ آئیں جو اس پر عمل کریں اور اسکی طرف دعوت دیں تو اس امت کو خونریزی اور تباہ و برباد ہونے سے ڈرایا جانا چاہیئے اسی لیے ہماری نورانی شریعت نے اس کو انجام دینے کی سفارش کی ہے چنانچہ اس کی مقدس کتاب کہتی ہے: "وَ اِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا " (۳) "اگر مومنین میں سے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو دونوں میں صلح کرادو" "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ " (۴) "مومنین تو آپس میں بس بھائی بھائی

---

(۱) سورہ آل عمران/۱۱۰ (۲) سورہ توبہ/۷۱ (۳) سورہ حجرات/۹ (۴) سورہ حجرات/۱۰

ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرادیا کرو" فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ " (۱) "تو خدا سے ڈرو اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو"

"لَا خَيْرَ فِي كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰاهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ " (۲) "ان کے راز کی باتوں سے اکثر میں بھلائی (کا تو نام) نہیں مگر (ہاں) جو شخص کسی کو صدقہ دینے یا اچھے کام کرنے یا لوگوں کے درمیان میں ملاپ کرانے کا حکم دے (تو یہ الگ بات ہے)۔

چونکہ صلح انسان کی کجی کو درست کرنے کے لئے سب سے عمدہ چیز ہے اس لئے خدا نے فرمایا "وَالصُّلْحُ خَيْرٌ" (۳) "اور صلح بہتر ہے"۔ اور چونکہ اصلاح کے ذریعہ یتیم کی بہتر پرورش ہوسکتی ہے لہذا خدا نے فرمایا: "وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ......" (۴) "تم سے لوگ یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں تم (ان سے) کہہ دو کہ انکی اصلاح (و درستی) بہتر ہے"۔

ان محکم آیات کے علاوہ بھی دوسری آیات موجود ہیں۔

اسلام نے اس فضیلت کی طرف صرف اس لیے دعوت دی ہے کہ اس فضیلت کا عظیم فائدہ اور بڑی تاثیر ہے۔ لہٰذا اصلاح ایسا معاشرتی امر ہے جس سے انسان کسی زمانہ اور مکان میں بے نیاز نہیں ہوسکتا اور یہ منجملہ ان اسباب کے ہے جسکی وجہ سے انبیاءؑ کا بھیجا جانا اور انکی رسالت پر عمل کیا جانا ضروری ہے

---

(۱) سورہ انفال/۱ (۲) سورہ نساء/۱۱۴ (۳) سورہ نساء/۱۲۸ (۴) سورہ بقرہ/۲۲۰

## وعدہ وفائی:

ایک اور بہترین صفت ،وعدہ وفائی ہے اس صفت سے متصف ہونے کو عرب والے ایک دوسرے پر فضیلت سمجھتے تھے اور اس صفت کا حامل ہونے پر فخر کرتے تھے۔

عقل اس کی فضیلت پر اتفاق کرتی ہے پھر اسلام نے آکر اس کی ترغیب دی اور اس کو اپنانے کا حکم دیا چنانچہ قرآن کریم اس سلسلہ میں فرماتا ہے:

"وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا" (۱) "اور عہد کو پورا کرو کیونکہ (قیامت میں) عہد کی پوچھ گچھ ہوگی" "وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ" (۲) "اور خدا کے عہد و پیمان کو پورا کرو یہ وہ بات ہے جس کا خدا نے حکم دیا ہے" "فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ" (۳) "ان کے عہد و پیمان کو اس کی مدت کو معینہ پر پورا کرو" بلکہ خداوند عالم نے عہد پورا کرنے کو اہل ایمان کی نیک صفت قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: "وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا" (۴) "اور جب کوئی عہد کیا تو اپنے قول عہد کے پورے ہیں" جس طرح کہ عہد شکن کو خدا نے کفار کی پہچان قرار دیا ہے کہ ارشاد ہوتا ہے: "اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ" (۵) "اس

---

(۱) سورہ بنی اسرائیل/۳۴ (۲) سورہ انعام/۱۵۲ (۳) سورہ توبہ/۴
(۴) بقرہ/۱۷۷ (۵) انفال/۵۵،۵۶

میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک جانوروں میں کفار سب سے بدتر ہیں تو (باوجود اس کے) پھر ایمان نہیں لاتے (اے رسولؐ) جن لوگوں سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا، وہ لوگ اپنے عہد کو ہر بار توڑ ڈالتے ہیں اور پھر (خدا سے) نہیں ڈرتے ''اور عہد شکنی کو اہل فسق کی علامت بھی قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

"وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ وَّ اِنْ وَّ جَدْنَا اَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِيْنَ" (۱) ''ہم نے تو ان میں سے اکثروں کا عہد (ٹھیک) نہ پایا اور ہم نے ان میں سے اکثروں کو بدکار ہی پایا'' بلکہ خدا نے عہد شکن کی صورت میں اہل کفر سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: "وَاِنْ نَكَثُوْا اَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَا اَيْمَانَ لَهُمْ..." (۲)

''اور اگر یہ لوگ عہد کر چکنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں تمکو طعنہ دیں تو تم کفر کے سر کردہ لوگوں سے خوب لڑائی کرو انکی قسموں کا ہرگز کوئی اعتبار نہیں ہے''

اور اس سورہ مبارکہ (توبہ) میں عہد کا کافی تذکرہ ہے تو شریعت اسلامیہ میں عہد کو پورا کرنے اور اسکی ترغیب دینے کو کافی اہمیت حاصل ہے اور بھلا کونسی فضیلت ایسی ہے جسکا اس شریعت نے حکم نہیں دیا اور کونسی بری خصلت ہے جس سے شریعت نے منع نہیں کیا؟

---

(۱) اعراف/۱۰۲ (۲) توبہ/۱۲

## عدل وانصاف:

انصاف، سعادت کا رہبر، امن کا پیغمبر، حکومت کی بنیاد، قیادت کا فخر، محبت کے جلب کرنے کا ذریعہ اور حکومت باقی رہنے کا ضامن ہے۔ اور بھلا کیا اس کے آثار نیک شمار کئے جاسکتے ہیں؟ جبکہ انصاف عقل کی چاہت کے مطابق بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ عادلہ شریعت نے اس کی طرف دعوت دی ہے اور اس کی طرف مائل کیا ہے بلکہ انصاف ہی شریعت کی بنیاد ہے، اسی پر اس کا نظام قائم ہے اور اس کے احکام اس کی شاخیں ہیں، انصاف ہی شریعت کا راہنما اور سردارِ لشکر ہے اور اس کی حکمت سے بھری ہوئی کتاب نے نہ جانے کتنی مرتبہ انصاف کی ترغیب کی ہے ملاحظہ فرمائیں: "اِنَّ اللّٰهَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ.." (۱) "اس میں شک نہیں کہ خدا انصاف اور لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے۔" "وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ" (۲) "اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔" "وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی" (۳) "اور جب کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو اگرچہ مدمقابل تمہارا عزیز ہی (کیوں نہ) ہو۔" "فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ..." (۴) "فریقین میں مساوات کے ساتھ صلح کرادو۔"

آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ خداوند عزوجل نے کس طرح ان آیات

---

(۱) نحل/۹۰ (۲) انساء/۵۸ (۳) انعام/۵۲ (۴) حجرات/۹

کریمہ میں انصاف کو ہر چیز کی بنیاد قرار دیا ہے، کبھی اس کو عام امور میں قرار دیا جیسا کہ پہلی آیت میں ہے اور کبھی فیصلہ کرنے میں اس کی رعایت کو واجب قرار دیا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے کبھی قول میں قرار دیا جیسا کہ تیسری آیت میں ہے اور کبھی لوگوں کے درمیان صلح کرانے میں قرار دیا جیسا کہ چوتھی آیت میں ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں۔

**امانت کی ادائیگی:**

امانت کی ادائیگی ایک اچھی خصلت اور نیک عمل ہے بلکہ یہ انسان کو لوگوں میں محبوب کر دیتی ہے اور اس پر اعتماد کو قوی کرتی ہے یہ اس کے بعض فائدے ہیں تو اس صورت میں بھلا اسلام کیوں نہ اسکی طرف پکارے گا اور ترغیب دے گا؟

اس کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے منجملہ ان میں سے یہ ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ کُمْ اِنْ تُؤَدُّ وْاالْاَمَانَاتِ اِلیٰ اَھْلِھَا" (۱) "خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ لوگوں کی امانتیں امانت رکھنے والوں کے حوالے کرو"۔ "فَلْیُؤَدِّ الَّذِیْ اُؤْتُمِنَ اَمَانَتَہٗ" (۲) تو جس شخص پر اعتبار کیا گیا ہے اسکو چاہیئے کہ (قرض دینے والے کی) امانت پوری ادا کرے" "وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمَانَاتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رَاعُوْنَ" (۳) "جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھتے ہیں"۔

---

(۱) سورۂ نساء/۵۸ (۲) سورہ بقرہ/۲۸۳ (۳) سورہ مومنون/۸ و سورہ معارج/۳۲

امانت کی اہمیت جتانے کے لئے یہی کافی ہے کہ خدا نے امانت میں خیانت کرنے سے منع کیا ہے چنانچہ اس نے مومنین کو مخاطب کر کے فرمایا: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَلَا تَخُوْنُوْا اَمَانَاتِكُمْ (۱) ''اے ایماندارو! نہ تو خدا اور رسولؐ کی (امانت میں) خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو'' اور قرآن مجید کی یہی آیات، امانت کی ادائیگی، اس کا لحاظ رکھنے اور اہل ایمان کو اس میں خیانت کرنے سے روکنے کے سلسلہ میں کافی ہیں۔

علم:

اسلام کے آنے اور قرآن کے نازل ہونے کے بعد ہی علم کا چرچا جزیرۃ العرب میں پھیلا۔ اگر آپ اسلام سے پہلے اور بعد کے لوگوں کو دیکھیں تو انکو اس آیت کا مصداق پائیں گے ''هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ'' (۲) ''بھلا کہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں''

دو فریقوں میں اس طرح فرق بیان کرنا لوگوں کو علم حاصل کرنے کی طرف توجہ دلانے کی بہترین روش ہے، اور علم کی شان میں خدا نے یہ اضافہ فرمایا ہے کہ اہل علم کو دوسروں سے ممتاز کیا ہے اور دوسروں کے مقابلے میں انکے درجے بلند فرمائیں ہیں، ارشاد ہوتا ہے: ''يَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ

---

(۱) انفال/ ۲۷ (۲) زمر/ ۹

اُوتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجَاتٍ " (۱) "جولوگ تم میں سے ایماندار ہیں اور جنکو علم عطا ہوا ہے خدا ان کے درجے بلند کرے گا" علم کی اہمیت کے لئے یہی فخر کافی ہے کہ صاحبان علم ،واجب الوجود کی معرفت اور اسکی وحدانیت کی معرفت کے ذریعہ ممتاز ہیں بلکہ وہ اس سلسلہ میں پوری دنیا کی تمام چیزوں اور تمام مخلوقات سے برتر ہیں اسی لئے قرآن نے صاحبان علم کو خدا کی وحدانیت کی گواہی دینے والوں کی فہرست میں اپنے اور فرشتوں کے ساتھ قرار دیا ہے، ارشاد ہے:" شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالۡمَلاَئِكَةُ وَ اُتُوا الۡعِلۡمِ ....."(۲)

"خود خدا گواہ ہے کہ اسکے سوا کوئی قابل پرستش نہیں ،فرشتے اور صاحبان علم گواہ ہیں کہ وہ عدل کے ساتھ قائم ہے....." بہر حال انکو اس عظیم مقام تک پہونچنا مبارک ہو۔

وہی جو خدا کی معرفت رکھتے ہیں اور اسکی واحدانیت کی گواہی دیتے ہیں وہی اس سے ڈرتے بھی ہیں اسی لئے ارشاد خداوندی ہے:"اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمَاءُ"(۳) "خدا کے بندوں میں اس کا خوف کھانے والے تو بس علماء ہیں۔"

علماء ہی خدا کی جانب راہنمائی کرنے والے اور اسکی آیتوں کی تفسیر کرنے والے ہیں خدا پہلے اپنے تعلیمات انکو القاء فرماتا ہے پھر وہ بندوں کو

---

(۱) مجادلہ/۱۱ (۲) آل عمران/۱۸ (۳) سورہ فاطر/۲۸

تعلیم دینے والے ہو جاتے ہیں۔اس کی طرف خدا نے یوں اشارہ کیا ہے:

"وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ" (۱) "تا کہ جولوگ جانتے ہیں ہم انکے لئے اس قرآن کو خوب واضح کر کے بیان کر دیں۔"

"وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ" (۲) "اگر وہ اس خبر کو رسول یا ایمانداروں میں سے صاحبان حکومت تک پہونچاتے تو بیشک جولوگ ان میں سے تحقیق کرنے والے ہیں اس کو سمجھ لیتے۔"

مقصد کو اور زیادہ صراحت سے یہ آیت بیان کر رہی ہے:

"وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ" (۳)

"خدا اور ان لوگوں کے سوا جو علم میں بڑے پایہ پر فائز ہیں" ان کا اصلی مطلب کوئی اور نہیں جانتا۔اور بھلا اس عظیم فضیلت کی ترغیب اور خدا کے نزدیک اس کے مقام اور لوگوں کے درمیان اس کے اثر کو بیان کرنے کے سلسلے میں اس سے بہتر اور کون سا بیان ہو سکتا ہے۔بہر حال جو ہم نے بیان کیا،اس کی اہمیت جتانے کے لئے وہی کافی ہے۔

تنبیہ وتذکر:

علوم طرح طرح کے ہیں اور اسکے اصناف بہت زیادہ ہیں اور علوم کے مختلف ہونے کے لحاظ سے علماء مختلف درجوں پر فائز ہیں۔اور خدا نے قرآن مجید

---

(۱) سورۂ انعام/۱۰۵ (۲) سورۂ نساء/۸۳ (۳) آل عمران/۷

میں علم وعلماء سے کیا مراد لیا ہے؟ کیا ہر علم وعالم مراد ہے یا علم وعلماء کی مخصوص صنف مراد لی ہے؟ خداوند تعالی نے جو صاحبان اور علماء کے لئے اس بات کی گواہی دی ہے کہ وہ اسکو پہچانتے ہیں لٰہذا وہ اس سے ڈرتے ہیں، اس سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ خدا نے علماء سے مخصوص صنف کو مراد لیا ہے کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہر عالم اس کی معرفت حاصل کر کے اس سے نہیں ڈرتا۔ بھلا آپ کیا ان دو آیتوں کا مصداق علمائے سحر وشعبدہ باز وغنا کو قرار دیتے ہیں؟ سائنس کے دانشمندوں، اشیاء کا تجزیہ وتحلیل کرنے والے دانشوروں، ریاضی اور ہندسہ کے ماہرین یا دیگر علوم کے دانشمندوں قرار دیتے ہیں جب کہ ہم ان میں سے کتنوں کو عرفان الٰہی سے روگرداں پاتے ہیں بلکہ وجود خدا کا منکر پاتے ہیں کتنے ایسے ہیں جو وجود خدا اور توحید کی گواہی تو دیتے ہیں مگر ان کے دلوں میں خوف خدا نہیں پایا جاتا بلکہ وہ غافل اور لہو ولعب میں مشغول ہوتے ہیں۔ بہر حال ان ہی جیسی باتوں سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ آیتیں حقیقی طور پر فقط علمائے دینی پر صادق آتی ہیں اس لئے کہ ان کے علاوہ پوری دنیا میں علماء کی دیگر اصناف نے خدا کے وجود وتوحید کی ابتدا میں گواہی نہیں دی اور حقیقی طور پر ان کے علاوہ کوئی خدا سے نہیں ڈرا۔

چنانچہ اس مشاہدہ سے ہم کو معلوم ہو گیا کہ خدا نے ان آیتوں میں جن علماء کرام کا تذکرہ کیا ہے، درجات بلند کئے ہیں، دوسروں سے ممتاز فرمایا ہے، علمی استنباط وتاویل سے سرفراز فرمایا ہے اور ان کی طرف مخصوص طور پر بیان،

القا فرمایا ہے، وہ علماء ہیں جنہوں نے اس کی وحدانیت کی گواہی دی اور اس کی عظمت کو پہچان کر اس سے خوف کھاتے ہیں۔ خدا نے جس علم کو سیکھنے کی ترغیب کی ہے اس سے مراد وہ علم ہے جو ہم کو خدا کی معرفت اور عبادت تک پہونچا دے، جس کی وجہ سے اس نے ہم کو نعمت وجود سے آراستہ کیا ہے جیسا کہ سے خدا نے فرمایا ہے:

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ"(۱) "میں نے جنوں اور آدمیوں کو اسی غرض سے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔"

ان جیسی آیات واحادیث سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ لوگوں پر دینی اور الہی علماء کا کیا حق بنتا ہے اور ان کے لئے کون سے حقوق کی ادائیگی ان کی طرف عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی معرفت رکھنے والے اور اس کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو لوگ بے حیثیت ہوتے خدا ہم کو ان کے نور کے ذریعہ راستہ پانے، ان کی ہدایت کی اقتدا کرنے، ان کے علوم سے فیضیاب ہونے اور ان کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔

بے شک وہ سننے والا اور مدد کرنے والا ہے۔

---

(۱) ذاریات/۵۶

# خاتمہ

شریعت اسلامیہ بے مثال خوبیوں اور بے نظیر نظام کی مالک ہے، جو آخرت کی بھلائی کی دعوت دینے پر اکتفانہیں کرتی ہے بلکہ اس نے اپنے نظام میں اس بات کا ارادہ کیا ہے کہ مسلمان دونوں جہاں کی سعادت، حاصل کریں اور دونوں عالم میں خوشگوار زندگی گذار سکیں۔

اگر آپ ان عبادات پر نگاہ کریں جن کے بارے میں آپ کا خیال ہے کہ خداوند حکیم نے ان کا حکم فقط اطاعت، حکم کی بجا آوری اور بندے کی آزمائش کیلئے دیا ہے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان میں لاتعداد معاشرتی فوائد ہیں، یہی نماز لے لیں، جب نماز کہا جاتا ہے یا نماز پڑھنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو آپ سمجھتے ہیں کہ یہ فقط خالص عبادی عمل ہے خالص خدا کی اطاعت ہے اور اس سے معاشرے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا لیکن حقیقت وہ نہیں جس کا تصور آپ کا وہم کر رہا ہے کیونکہ تنہا نماز ہی ایسا عمل ہے جو پورے معاشرے کی بھلائی کا باعث ہے۔

معاشرہ میں معاشرے کی سب سے بڑی بیماری اور سرایت کرنے والا مرض یہ ہے کہ لوگ برائیوں کے لپیٹ میں بہت جلد آتے ہیں بنا بر ایں کوئی بھی تندرست انسان اس بیماری کے حملے سے محفوظ نہیں اور یہ نماز اس بیماری کو دور کرتی ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: ''اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ

وَالْمُنكَرِ "(۱) "بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے محفوظ رکھتی ہے" لگتا ہے، آپ کو اعتراض ہے نماز، لوگ قائم کر رہے ہیں اور ان میں کچھ حالت قیام میں ہیں کچھ حالت قعود میں ہیں کچھ رکوع میں ہیں اور کچھ سجدے میں ہیں مگر اس کے باوجود بے حیائی اور برے کام لوگوں میں رائج ہیں بلکہ خود نمازیوں میں بھی فحشاء و منکر کا ارتکاب ہے تو ان برائیوں سے نماز نے کہاں روکا ہے اور لوگ کہاں باز آئے ہیں؟ لیکن آپ اس امر سے کیوں غافل ہیں کہ نماز سے مراد نماز کی حقیقت، کمال اجزاء اور شرائط ہیں؟ نماز عبادت خدا ہے جب نمازی قبلہ رخ کھڑا ہو اور اسکو معلوم ہو کہ وہ اپنے عظیم جبار خالق، نعمت دینے والے اور لطف و فضل کرنے والے رازق کی عبادت کرنا چاہتا ہے اور یہ بھی جانتا ہو کہ اگر میں اس عظیم صاحب کبریا ہستی سے منہ پھیر لوں تو وہ بھی مجھ سے روٹھ جائے گا تو وہ ضرور اسکی طرف تمام اعضاء و جوارح، افکار و حواس اور خشوع و خضوع سے متوجہ ہوگا اور اس کے غضب سے خائف اور اس مہربان پروردگار کی رحمت کا امیدوار ہوگا تو ضرور اس کی نماز برائیوں سے بچائے گی؟ اور بھلا وہ کیسے برے کام کر سکتا ہے جو زمین و آسمان کے خالق کے سامنے کھڑا ہو اور اسکو اسکی کبریائی عزت و عظمت اور جبروت کا علم ہو؟ اور بھلا کیا وہ اس خضوع اور خشوع کے بعد گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے؟ جسکی یہ حالت ہو وہ برائیوں سے کیوں نہ اجتناب کریگا اور دوسرں کو کیوں نہ منع کریگا؟ جب لوگ نماز پر متفق ہو جائیں تو برائیوں کا وجود ہی کہاں ہوگا؟ البتہ اگر نماز کوے کی طرح ٹھونگ مارنا ہو یا اعضاء و جوارح تو قبلہ رخ ہوں لیکن دل خیالی پلاؤ پکانے میں مشغول ہو اور فکر لہو لعب

---

(۱) سورہ عنکبوت/۴۵

میں مصروف ہو یا برائیوں کے ارتکاب اور منافع حاصل کرنے میں لگی ہو تو ایسی نماز اور نمازی کا کیا حال ہوگا اور کیونکر برائیوں میں اضافہ نہ ہوگا۔

المختصر یہ کہ اسلام دنیا وآخرت میں لوگوں کی سعادت، ہر برائی کا توڑ اور ہر خوبی کی ترغیب کے لئے آیا ہے اور اگر آپ اس کے نظاموں، قوانین، احکام، عبادات، حدود، عقود اور ایقاعات کا باریکی سے جائیزہ لیں تو آپ اس کو ایسا دین پائیں گے جسکو خالق نے بندوں کی صلاح اور اصلاح اور تہذیب کے لئے بنایا ہے بلکہ یہاں تک کہ وہ جنگیں جن میں اسکے پرچم بلند ہوئے اور شمشیریں برہنہ ہوئیں وہ بھی انسانوں کی خیر وصلاح کی بنیاد پر واقع ہوئیں جیسا کہ اسکی وضاحت پہلی اور دوسری فصلوں میں کی جا چکی ہیں۔ چونکہ ہم نے اس تیسری فصل میں ان اشیاء کی طرف اشارہ کرنا چاہا ہے جنھوں نے اسلام کو سہارا دے کر بلند کیا ہے، ان میں سے بعض رذائل کا ذکر کر دیا جس سے اسلام نے روکا ہے اور بعض ان خوبیوں کا ذکر کر دیا جن کے اختیار کرنے کی ترغیب کی ہے ہم نے اس سلسلہ میں اختصار کو مدنظر رکھا اگر ہم تفصیل سے بحث کرتے اور تمام اوامر ونواہی کو ذکر کرتے تو اپنی منزل مقصود سے خارج ہو جاتے کیونکہ مقصد یہ تھا کہ ہم اسلام کے کمالات اور حقیقت کی طرف اشارہ کریں اور اس بات کی طرف اشارہ کریں کہ وہ کیسے پروان چڑھا اور مختصر مدت میں اور کثیر موانع کی موجودگی میں کس طرح دور دراز علاقوں میں پہونچ گیا اور ہم اس بات کی طرف بھی اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ان نشیب وفراز کو کیونکر طے نہ کرتا جبکہ یہ اس کی خوبیاں تھیں اور وہ معجزات واوصاف تھے۔

ان صفحات کو تحریر کرنے کا ہمارا مقصد صرف یہ تھا کہ اسلام کی خدمت کر سکیں اسکے منادی اور مبلغ کے کچھ حقوق ادا کر سکیں نوجوانوں کی اسلامی روح کی غذا کے ذریعہ تربیت کر سکیں اس منجیٔ اعظم کی اقتداء کر سکیں جس نے اپنا سب کچھ حق و انصاف کی راہ میں انسانوں کی اصلاح اور ان کو گمراہی اور جہالت سے نجات دینے

کے سلسلے میں لٹا دیا تو اگر میں اس مقصد کی ادائیگی سے قاصر رہا ہوں تو بھی غنیمت ہے لیکن اگر میں نے اس سلسلہ میں تقصیر کی ہو تو میں خدا سے اس بات کا امیدوار ہوں کہ قلم وقدم کی لغزش کو معاف فرما دے اور بھلا اس سے زیادہ معاف کرنے کا کون حقدار ہے؟ اور میں اس کے رسولؐ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی خوشی مجھے بخش دیں کہ آپؐ سے زیادہ کون اخلاق حسنہ کا مالک ہے؟

تمام تعریفیں اس منعم حقیقی کے لئے سزاوار ہیں جس نے مجھکو اپنی معرفت کی توفیق دی اور اپنے دین اسلام کے اختیار کرنے، خیر الانام کی پیروی کرنے اور آپؐ کے اوصیائے کرام کی ولایت کی توفیق دے کر احسان فرمایا اور درود وسلام ان مکرم رسولؐ اور مصلح اعظم پر اور ان کے اوصیاء پر جنہوں نے آپؐ کی شریعت کو باقی رکھا، آپ کی سنت کو بیان فرمایا ان پر ہمیشگی اور ابدی درود وسلام جب تک خدا کی مملکت، سلطنت، عزت اور شان باقی ہے، بے شک وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے اور بہترین سننے والا ہے اور بہترین قبول کرنے والا ہے۔ یکم ذی القعدہ ۱۳۶۲ھ بروز یکشنبہ اس کتابچہ کی تکمیل سے فراغت حاصل ہوئی اور اس پر نظر ثانی سے فراغت اسی سال بروز شنبہ ۶/ ذی الحجہ کو حاصل ہوئی۔

والسلام

محمد حسین بن محمد

بن عبداللہ بن محمد بن احمد بن مظفر

قدست ارواحهم وغفر الله لهم وله

تاریخ اختتام ترجمہ

۸/ جولائی ۲۰۰۴ بروز پنجشنبہ بوقت پانچ بجے عصر

۱۹/ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ

TANZEEMUL MAKATIB
Golaganj Lucknow-18 India
Ph : 2615115 Fax : 2624563
E-mail: tanzeem@tanzeem.com